اخلاقیات

12

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بُک بورڈ، لاہور

منظور کردہ: وفاقی وزارت تعلیم (شعبہ نصاب سازی) حکومت پاکستان، اسلام آباد۔
موجب سرکلر نمبر F.6-8/2009 مورخہ 01 مارچ 2011
تیار کردہ: پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

اس کتاب کا کوئی حصہ نقل یا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اسے ٹیسٹ پیپرز، گائیڈ بکس، خلاصہ جات، نوٹس یا امدادی کتب کی تیاری میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1۔	**مذہب کا تعارف**	02-12	4۔	**آداب**	73-76
•	مذہب کی تعریف مختلف ماہرین کی نظر میں		•	کام کی جگہ کے آداب	
•	مذہب اور دین کی تعریف		•	انتظامیہ کے آداب	
•	مذہب اور دین میں فرق		•	ماتحت کے آداب	
•	وحدتِ ادیان کا تصوّر				
•	مذہب اور سائنس				
2۔	**پاکستان میں مختلف مذاہب**	13-56	5۔	**مشاہیر**	77-89
•	سناتن/ ہندو دھرم		•	نیلسن منڈیلا	
•	زرتشت مذہب		•	ڈاکٹر محمد یونس	
•	سکھ مذہب		•	نجیب محفوظ	
3۔	**اخلاقی اقدار**	57-72	6۔	**فرہنگ**	90
•	معاشرتی ادارے (مذہبی/تعلیمی)				
•	کام کی جگہ پر وقت کی اہمیت				

مصنفین: • ڈاکٹر عبداللہ شاہ ہاشمی • ڈاکٹر محمد شفیع مرزا

ڈائریکٹر (مسوّدات): فریدہ صادق **ڈپٹی ڈائریکٹر (گرافکس):** انجم واصف

نگران/ ایڈیٹر: لئیقہ خانم

کمپوزنگ: عرفان شاہد **ڈیزائننگ:** سمیرا اسماعیل

ناشر: **مطبع:**

تاریخ اشاعت ایڈیشن طباعت تعداد اشاعت قیمت

پیش لفظ

خدا تعالیٰ نے انسان کو نا صرف اشرف المخلوقات بنایا بلکہ حقائق کے ادارک کے لیے فہم و دانش عطا کی جس کی بنیاد پر وہ سمجھتا ہے کہ اچھے اخلاق ہی انسانیت کا بنیادی جوہر ہیں، اگر انسان میں اخلاقی کمزوریاں پیدا ہو جائیں تو وہ انسانیت کے درجے سے گر جاتا ہے اور ساری عقل و دانائی اور مادی ترقی کے باوجود وہ حیوان سے بدتر ہو جاتا ہے۔ اسی لیے تعلیم کا ایک بنیادی کردار انسان کو زیورِ اخلاق سے آراستہ کرنا قرار پایا ہے۔

تاریخ کے مختلف ادوار میں مذاہب نے انسان کی اخلاقی تربیت کی ہے اور انسان کو روحانی سہارا بھی دیا ہے۔ اس سے جہاں معاشرے پُرسکون اور پُرامن رہے، وہاں انسان کو عظمت، عزت اور وقار بھی نصیب ہوا۔ حقیقت میں وہ تمام روایات، رسوم اور اقدار جو سلامتی کے راستے کی طرف لے جاتی ہیں، ان سب کا سرچشمہ مذاہب ہیں۔ وہ تمام نیک لوگ جو انسانیت کے لیے درد دِل رکھتے ہیں اور ہمیشہ خدمتِ خلق میں پیش پیش رہتے ہیں، ان کا تعلق عموماً کسی نہ کسی مذہب سے ہوتا ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے، جس میں اکثریت مسلمانوں کی ہے، لیکن ہندو، مسیحی، سکھ، پارسی اور دیگر مذہبی اقلیتیں بھی موجود ہیں۔ ان اقلیتوں میں ہندو اور مسیحی قریب قریب ایک جیسی تعداد میں ہیں اور یہ دونوں بڑی اقلیتیں ہیں جب کہ سکھ مذہب کے پیروکار ان سے کم ہیں۔ تشکیل پاکستان سے لے کر اب تک یہ اقلیتیں پاکستان کے پُرامن شہری ہیں اور جنھیں آئینی طور پر مذہبی آزادی حاصل ہے۔

عالمی مذاہب وہ سرچشمہ فیض ہیں، جن سے عالمِ انسانیت نے روحانی پیاس بجھائی ہے۔ یہ بنی نوع انسان کے اتحاد، باہمی یگانگت اور ہم آہنگی کا ذریعہ بھی ہیں۔ ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور مذاہب ان کو یکجا کرتے ہیں۔ بھارت کے فلسفی ڈاکٹر رادھا کرشنن نے کہا تھا کہ جو انسانوں کو جوڑے وہ دھرم ہے اور جو توڑے وہ ادھرم ہے۔ مذاہب فطرت کے قریب، بلکہ بعض مذاہب سراسر فطرت ہیں۔ یہ انسان کو محبت، رواداری اور یگانگت کا درس دیتے ہیں۔

اخلاقیات کی اس کتاب میں ایسا مواد شاملِ نصاب کیا گیا ہے کہ مذاہب کی ترویج و ترقی میں معاشرے کا کردار کیا ہوتا ہے اور مذاہب کس طرح معاشرے میں مثبت تبدیلیوں کے لیے پیش رفت کرتے ہیں۔ اسی طرح اجتماعی عدل اور مساوات کے لیے سماجی اداروں کی کارکردگی، وحدتِ ادیان کے تصورات اور سائنس اور مذاہب جیسے اہم موضوعات شامل ہیں۔ کتاب میں بڑے بڑے مذاہب کے اعتقادات اور ان کی تعلیمات کی تفصیلات بتائی گئی ہیں۔ ان کے مطالعہ کے بعد طلبہ اندازہ کر سکیں گے کہ بنی نوع انسان کی اصلاح کے لیے مذاہب نے کیا کردار ادا کیا ہے اور یہ کہ تمام مذاہب انسان کو نہ صرف اچھے اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں بلکہ اس کی تربیت بھی کرتے ہیں۔

عملی زندگی میں قدم رکھتے ہی ہم میں سے ہر ایک کو معاشرے کے دیگر افراد سے واسطہ پڑتا ہے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ اچھے روّیے بہتر تعلقات کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ کتاب میں بتایا گیا ہے کہ رواداری، حُسنِ اخلاق اور مہذب ہونے کے لیے ہمیں کن آداب کا خیال رکھنا چاہیے۔ اسی طرح کتاب میں ایسے مشاہیر کی زندگی اور فکر کا ذکر کیا گیا ہے جو آزادی، خودداری، دردمندی اور خدمتِ خلق کے سلسلے میں ہمارے لیے قابلِ تقلید ہیں۔ ان میں نیلسن منڈیلا، عبدالستار ایدھی، مدر ٹریسا، ڈاکٹر محمد یونس، نجیب محفوظ اور جمشید نسرواں جیسی شخصیات شامل ہیں۔

پاکستان کی ترقی، خوش حالی اور باوقار قوموں کی صف میں کھڑا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ یہ ملک اندرونی طور پر، پُرامن اور متحد ہو اور ملک کے تمام باشندے، خواہ ان کا تعلق اکثریت سے ہو یا اقلیت سے، وہ یکسو ہو کر باہمی اتحاد اور یگانگت سے اس کی ترقی کے لیے کام کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے روشن مستقبل کے لیے مذہبی ہم آہنگی بہت ضروری ہے۔ رواداری، برداشت، محبت و یگانگت اور دوسروں کے مذہب کا احترام انسانیت کا زیور بھی ہیں اور ملکی ترقی و خوش حالی کی ضمانت بھی۔

مصنفین

باب
1

مذہب کا تعارف

مذہب کی تعریف مختلف ماہرین کی نظر میں:

وائٹ ہیڈ (Whitehead) کا کہنا ہے کہ جس زمانے میں مذہب کا زور ہوتا ہے اس دور میں عقلیت کا بھی زور ہوتا ہے۔اس کی اہم وجوہات ہیں۔مثلاً ،جب لوگ اپنے ذہنی اعمال خصوصاً اعتقادات، جذبات، ارادے اور احساسات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنا چاہتے ہیں تو دوسری طرف مذہب بغیر کسی دلیل کے اعتقادات اور جذبات کے تجربے پر زیادہ اصرار کرتا ہے۔کہا جاسکتا ہے کہ جس زمانے میں عقلیت اپنے عروج پر ہوتی ہے اس زمانے میں مذہب کا بھی زور ہوتا ہے۔

فلسفی کانٹ (Kant) کے خیال میں ہر فریضہ کو خدائی حکم سمجھنا مذہب ہے۔اس سے مراد یہ کہ ہے تمام اعمال وافعال ایک عظیم ہستی کی رضامندی اور حکم کے مطابق سرانجام دیئے جائیں۔

فریڈرک شیلر (Friedrick Schieler) کے خیال میں ہر انفرادی شے کو ایک عظیم کل کا جز و سمجھنا اور ہر محدود شے کو لامحدود کا نمائندہ قرار دینا مذہب ہے۔مذہب کی اس تعریف میں بھی خدا کی بڑائی اور کبریائی کا اقرار کیا گیا ہے اور کائنات کی ہر شے کو اس کا حصہ بتایا گیا ہے۔ہر شے کو محدود اور خدا کو لامحدود اس کی صفات کی بنا پر کہا گیا ہے۔''وہ ہر شے پر قادر ہے'' کا مفہوم فریڈرک شیلر کی بتائی ہوئی مذہب کی تعریف میں پنہاں ہے۔

ماہرِ نفسیات ہافڈنگ (Hoffding) کے خیال میں مذہب اقدار کے ثبات کا نام ہے۔یعنی مذہب بنی نوع انسان کے لیے ہر مستقل مثبت قدر کی ہمیشگی اور دوام کا دوسرا نام ہے۔مذہب انسانی اقدار کے قیام اور ان کی حقیقت کو پائیدار بنانے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

ماہرِ نفسیات و مفکر ولیم جیمز (William James) کا خیال ہے کہ انفرادی اشخاص کے عالم تنہائی کے وہ جذبات، اعمال اور تجربات جن کی بابت وہ سمجھیں کہ ان کا رشتہ اس شے سے ہے جسے وہ اپنی دانست میں خدا کہتے ہیں، مذہب کہلاتے ہیں۔

پروفیسر وائٹ ہیڈ (Whitehead) نے ایک جگہ غور وفکر کے حوالے سے لکھا کہ انسان جو کچھ اپنی ذات کی تنہائی میں کرتا ہے وہ مذہب ہے اور اسی طرح دوسری جگہ وائٹ ہیڈ نے لکھا ہے کہ مذہب عقیدہ اور ایمان کی اس قوت کا نام ہے جس سے انسان کو اندرونی پاکیزگی حاصل ہوجاتی ہے۔مزید یہ کہ مذہب عالمگیر وفاشعاری کا نام ہے۔

مذہب کی جامع تعریف:

مذہب عالمگیر وفاشعاری (Religion is world loyalty) کا نام ہے۔مذہب کے متعلق ہر ایک کا تصور الگ ہے۔مذہب بندے اور خدا کے آپس میں تعلق سے متعلق عقیدے کا نام ہے۔اس میں نیک نیتی اور خلوص دل سے بندہ اپنے خدا سے تعلق پیدا کرتا ہے۔مذہب ایک ایسی ان دیکھی ہستی پر مکمل یقین اور اعتماد کا نام ہے جو ہر شے کی خالق و مالک ہے اور پھر مذہب کو ماننے والے کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس ہستی کو اپنی مشکلات کا مداوا اور عظیم ہستی سمجھے۔اس کے سامنے سرتسلیم خم کرے اور اس کی خوشنودی اور رضا کے مطابق اپنی زندگی ڈھالے۔

ابتدائے زمانہ ہی سے انسان کو مذہب کی ضرورت رہی ہے۔ وہ ہمیشہ سے مذہب کا محتاج رہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ایمان اورعقیدہ کی نوعیت بدلتی رہی ہے۔ دنیوی علوم انسان کو عقلی موشگافیاں اور جدید سے جدید نظریات مہیا کرتے ہیں لیکن قلبی سکون اور اطمینان مذہب کی راہوں پر چل کر ہی حاصل ہوتا ہے۔ مذہبی تجربہ انسان کو ایک ایسی دنیا سے روشناس کراتا ہے جہاں انسانی عقل پہنچ نہیں سکتی۔

حقیقت میں مذہب ایک مقدس راستے پر چلنے کا عمل ہے۔ جس شے کو انسان بلند ترین قرار دے اس سے تعلق کا نام مذہب ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ مذہب انسان کے لیے ایک ایسا سہارا ہے جس کی مدد سے وہ رنج والم سے نجات حاصل کرتا ہے اور خوشگوار زندگی گزارتا ہے۔ مذہب انسانی زندگی کو باضابطہ بناتا ہے۔ بے ترتیب اور بے ہنگم مصروفیات کو ترتیب دیتا ہے۔ انسان اس طرح اطمینان قلب سے ہر لمحہ اپنے آپ کو اس ہستی کی خوشنودی کے لیے وقف کر دیتا ہے جو سب کچھ عطا کرتی ہے۔ مذہب کی مدد سے وہ ہر دن کا آغاز خدا کو اپنا ہمدرد اور مددگار تصور کرتے ہوئے کرتا ہے۔ مذہب ہی انسان کو سکھاتا ہے کہ ایک ایسی عظیم ہستی پر یقین قائم کیا جائے جو اس کی دعاؤں کو سنتا ہے اور مشکلات کو حل کرتا ہے۔ دعا سے انسان اپنے کردار میں تبدیلی پیدا کرتا ہے اور ہر دعا میں ایک ایسی ہستی سے مانگنے کا تصور پایا جاتا ہے جو اعلیٰ و برتر ہے۔ جسے خدا کہتے ہیں۔

دین کا مفہوم:

لہٰذا لفظ دین کے اصطلاحی مفہوم یہ کیے جا سکتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ دستور اور ضابطہ حیات ہے۔ اس طرح نوع انسانی کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لئے ابدی طور پر مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ لفظ دین کی جمع ''ادیان'' ہے۔ دین عربی زبان کا لفظ ہے جو ان چار معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

1۔ بدلہ دینا، محاسبہ کرنا۔

2۔ حکم چلانا، مالک اور متصرف ہونا۔

3۔ حکم ماننا، اطاعت وفیصلہ قبول کرنا۔

4۔ مذہب اختیار کرنا، (فطری یا عملی) دستور وضابطہ بنالینا۔

لفظ ''دین'' کے تمام معانی مثلاً حکم، بدلہ، قانون، جزا، مذہب، دستور، مسلک اور طریقہ وغیرہ میں ''لازمی اور ضروری'' کا معنی موجود ہے۔

دین اور مذہب میں فرق:

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ لفظ دین اور مذہب مفہوم اور معنیٰ میں تھوڑا سا فرق ضرور پایا جاتا ہے۔ عام طور پر لفظ مذہب کی جو تعریف کی گئی ہے وہ محدود تصورات وافکار کی عکاسی کرتی ہے جیسا کہ پروفیسر وائیٹ ہیڈ (Pro.White Head) نے لکھا ہے، کہ ''مذہب عقیدہ کی اس قوت کا نام ہے، جس سے انسان کو اندرونی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح پروفیسر ٹیلر نے مذہب کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ ''روحانی ہستیوں پر اعتقاد وایمان۔'' برونائیٹ ہیڈ مذہب کی تعریف میں رقمطراز ہے ''مذہب اعتقاد کی اس قوت کا نام

ہے جس میں یہ قوت ہوتی ہے کہ وہ انسان اور انسانی کردار میں تبدیلی پیدا کر دے بشرطیکہ اس میں خلوص اور بصیرت پائی جاتی ہو۔" الغرض مذہب صرف روحانیت، اخلاق اور اعتقاد کی حد تک محدود ہے جبکہ لفظ دین اس سے کہیں زیادہ وسیع معانی اور مفہوم پر مشتمل ہے۔ اس سے مراد ایک ایسا ضابطہ اور نظام زندگی ہے جس میں انسان طاقت اور قوت کا سرچشمہ اور اقتدار اعلیٰ صرف خدا تعالیٰ کی ذات کو کرتا ہے اور اس کی اطاعت، فرمانبرداری پر اچھے بدلے اور جنت کی امید باندھے ہوئے ہو اور اس کی نافرمانی پر ذلت، خواری، غضب اور جہنم کا خوف طاری ہو۔ اس لحاظ سے لفظ دین پوری زندگی یعنی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی اور مشتمل ہے۔

وحدتِ ادیان کا تصور:

مذاہب کی تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دَور بھی مذاہب کے وجود سے خالی نہیں رہا۔ نیز مذاہب نے انسانی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں، اگر بغور دیکھا جائے تو یہ مذاہب ہی ہیں جو انسانی زندگی کو بامعنی بناتے ہیں۔ آج بھی کروڑوں انسان مذہبی ہدایات پر صدقِ دل سے یقین رکھتے ہیں، اور ان ہدایات پر عمل پیرا ہو کر نجات کے لیے پُرامید ہیں۔ دُنیا میں پائے جانے والے مذہبی نظریات میں باہمی فرق موجود ہے، لیکن یہ سارے مذاہب انسان کو مساوات، ہمدردی، خدمتِ خلق، دیانتداری اور دیگر بہت سی اخلاق تعلیمات دیتے ہیں۔ ان تمام مذاہب میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔

کسی چیز کے عیب و صواب کی جب تحقیق کی جاتی ہے تو پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ خود کیسی ہے؟ پھر یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ دوسری چیزوں کے درمیان اس کا درجہ کیا ہے؟ جب ان دونوں حیثیتوں سے وہ بہتر ثابت ہو جائے تب ہی اسے پسندیدگی کی سند بخشی جا سکتی ہے۔ اسی طریق تحقیق کو ادیان کے تقابل کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ادیان کا تقابل کرتے ہوئے پہلے الگ الگ ان کی حیثیت کا جائزہ لیا جاتا ہے کہ وہ مذہب اپنی ماہیت میں کیسا ہے؟ پھر اس کی اس حیثیت کے حوالے سے دیکھا جاتا ہے کہ جس مذہب سے اس کا تقابلی مطالعہ کیا جا رہا ہے اس میں اس کا درجہ کیا ہے؟ گویا تقابل ادیان سے یہ مراد ہے کہ "مذاہب عالم کا غیر جانب دارانہ مقابلہ" ان کی تعلیمات کا موازنہ، ان کے اصول و عقائد اور عبادات و رسوم کا غیر متعصّبانہ مطالعہ تاکہ ہر ایک کی قدر و قیمت اور اس کے مسائل کا حسن و قبح دودھ اور پانی کی طرح الگ الگ ہو جائے۔ اگر کسی مذہب میں کوئی خوبی ہے تو دل و دماغ سے اس کا کھلا اعتراف کیا جائے۔ اگر کوئی خامی یا نقص نظر آتا ہے تو مدلل رد کیا جائے۔

مختصر الفاظ میں تقابل ادیان سے مراد دنیا میں پائے جانے والے مختلف مذاہب کے بنیادی عقائد، عبادات اور رسم و رواج کی غیر جانب دارانہ، غیر متعصّبانہ، عادلانہ اور ناقدانہ پرکھ ہے جس کے نتیجے میں ہر ایک مذہب کی قدر و قیمت، خوبیاں اور خامیاں پوری طرح عیاں ہو جائیں اور اس کے عیب و ہنر ایک درجہ پا جائیں۔

تمام بڑے مذاہب کا بنیادی عقیدہ یہ ہے، کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اس کی راہنمائی کے لیے پیغمبر/ اوتار بھیجے۔ انھیں صحیفے/ کتابیں دیں۔ ان رسولوں اور نبیوں نے ان ہدایت ناموں کی روشنی میں عمل کے ذریعے اقوام کی راہنمائی کی۔ مختلف ادوار میں جو نبی آئے اور انھوں نے اقوام کی تربیت کی اور تعلیمات دیں، ان کا تفصیلی مطالعہ بتاتا ہے کہ وہ بنیادی طور پر ایک جیسی تھیں لیکن ان میں قوموں کی

ثقافتی، سماجی اور جغرافیائی حالات کے حوالے سے کچھ فرق بھی تھا۔ ان تعلیمات کا مرکز اور اساس ایک ہی تھا۔ توحید ان سب میں قدرِ مشترک ہے۔ اس لیے قدیم اَدوار سے عصر حاضر تک انسانی راہنمائی کی بنیاد یہی قدرِ مشترک ہے۔

تمام مذاہب ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ زمانے کی ضروریات پوری کرنے اور معاشرتی بگاڑ دُرست کرنے کے لیے خدا تعالیٰ نے ہر دور میں نبی/ رسول/ پیغمبر اور اوتار بھیجے۔ تمام مذاہب کی بہت سی اقدار سراسر اخلاقی ہیں۔ جھوٹ سے بچنا، دوسروں کی حق تلفی نہ کرنا، عبادات میں باقاعدگی، دیانتداری، خدمتِ خلق وغیرہ پر سب ہی مذاہب زور دیتے ہیں۔ گویا تمام مذاہب کی بہت سی اقدار میں یکسانیت اور مماثلت پائی جاتی ہے۔

اس کی توجیہہ یوں بھی کی جاسکتی ہے، کہ خارجی حقائق کے حوالے سے یہ مذاہب الگ الگ نظر آتے ہیں۔ اعتقادات کی دُنیا میں ایک دوسرے سے مختلف بھی ہیں۔ ان کے طریقہ ہائے عبادت بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ان کے ثقافتی مظاہر بھی یکساں نہیں لیکن اندر سے ان کی سمت ایک ہے۔ وہ اعتقادات جن کا تعلق ماورائیت سے ہے۔ ان کے حوالے سے یہ مذاہب کم از کم ایک بڑی بنیادی حقیقت توحید پر متحدہ ہیں، اسے ہی وحدتِ ادیان (Transcendental Unity of Religion) کہا جاتا ہے۔ وحدتِ ادیان ہی انسانی مساوات اور باہمی انسانی تعاون کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

مذاہب کے تصورات اور تعلیمات میں عصری تقاضوں کا خیال رکھا گیا ہے، کیوں کہ وہ مختلف زمانوں میں روشناس کرائے گئے۔ وہ روئے زمین پر ایک دوسرے سے مختلف فاصلوں پر رہنے والوں کے جغرافیائی خطے میں نازل کیے گئے مگر ان سب کی تعلیمات کا سرچشمہ ایک ہے۔ ان مذاہب کا ذریعۂ علم بھی ایک رہا ہے۔ انھوں نے جن صداقتوں کے تسلیم کرنے پر زور دیا، وہ زمانے اور فاصلے کے باوجود ایک ہیں۔ ہزاروں سال کے فاصلے کے بعد بھی مذاہب کی تعلیمات کے نتائج میں مماثلت پائی جاتی ہے۔

البتہ یہ ضرور ہوا کہ کسی گروہ نے بغاوت کی یا بنیادی تعلیمات میں اپنے پاس سے خارجی تصورات شامل کر دیے تو مذہب کی شکل بدل گئی اور اگر وہ توہمات کا شکار ہوا تو نتائج بھی مختلف نکلے مگر ان مذاہب کی بنیاد ایک خدا کی عبادت اور اس کی وحدانیت ہی رہی ہے۔ جب مذاہب کی بنیاد ایک ہے، تو کہا جاسکتا ہے کہ مختلف خطوں میں آنے والے پیغمبر ایک ہی پیغام لائے خواہ ان کا تعلق عرب، مصر، ایران، جاپان، چین، ہندوستان، یورپ، افریقہ یا دُنیا کے کسی بھی خطے سے تھا۔

ارسطو نے بھی ایک فلسفیانہ تصور دیا۔ اس کے مطابق ایسی حقیقت جو مطلق نیکی یا فضیلت کے بارے میں ہے، اس کا بیان کرنا آسان نہیں۔ البتہ وجدان سے اسے سمجھا یا جاسکتا ہے۔ ارسطو سے متاثر ہو کر مابعد کے فلاسفہ نے اس برتر حقیقت کو خدا کا نام دیا اور اسے فطرت (Nature) سے برتر کہا ہے اور اس کو یہودیت، مسیحیت اور اسلام میں بھی تسلیم کیا گیا ہے۔

☆☆☆☆

مشق

(ا) مفصل جوابات لکھیے۔

1۔ مذہب کی تعریف کریں اور مختلف ماہرین کی مذہب کے بارے میں آرا بیان کریں۔

2۔ دین کی تعریف بتائیں، مذہب اور دین کی کیا فرق ہے؟

3۔ وحدتِ ادیان کا تصور کیا ہے؟ تفصیل سے بیان کریں۔

(ب) مختصراً جوابات لکھیے۔

1۔ مذہب انسانی زندگی کو کیسے بامعنی بناتا ہے؟

2۔ مذہب کی جامع تعریف کیا ہے؟

3۔ دین کے چار مفہوم کیا ہیں؟

4۔ اختلافات کے باوجود مذاہب کی کون سی بنیاد ایک ہے؟

(ج) دُرست جواب کی نشان دہی کیجئے۔

1۔ تمام پیغمبروں اور نبیوں کی تعلیمات ---------------------- تھیں۔

(ا) بظاہر ایک جیسی　　(ب) ایک دوسرے سے بالکل مختلف

(ج) بالکل ایک جیسی　　(د) بنیادی عقیدہ اور اقدار ایک جیسی

2۔ مذاہب میں ایک قدرِ مشترک -------------- ہے۔

(ا) توحید　　(ب) رسالت　　(ج) اقدار　　(د) نیکی

3۔ تمام مذاہب میں --------------- میں یکسانیت موجود ہے۔

(ا) عقیدۂ توحید　　(ب) عبادات　　(ج) اخلاقی اقدار　　(د) عبادات اور اقدار

4۔ خارجی حقائق کے اختلاف کے باوجود ایک بنیادی حقیقت --------------- پر سب متحد ہیں۔

(ا) ماورائیت　　(ب) اصل　　(ج) وحدتِ ادیان　　(د) ذریعۂ علم

5۔ دین زندگی کے تمام --------------- پر حاوی اور مشتمل ہے۔

(ا) شعبوں　　(ب) اداروں　　(ج) حیثیتوں　　(د) ا، ب اور ج

(د) خالی جگہ پُر کریں۔

1۔ تمام مذاہب کی ---------------- ایک ہے۔

2۔ مذاہب کی تعلیمات کا ---------------- ایک ہے۔

3۔ مذاہب کی تعلیمات کے نتائج میں ---------------- پائی جاتی ہے۔

4۔ ارسطو کے مطابق مطلق نیکی کو ---------------- کے ذریعے ہی سمجھا جا سکتا ہے۔

5۔ مختلف مذاہب کا ذریعۂ علم ---------------- ہے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1۔ لائبریری سے مختلف مذاہب کی کتب سے وحدتِ ادیان کے بارے میں مطالعہ کریں اور وحدتِ ادیان کو پھیلانے کی کوشش کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ طلبہ کے گروپ بنائیں اور ہر گروپ کو مختلف مذاہب کی اخلاقی اقدار جمع کرنے کی ہدایت کریں۔

☆☆☆☆

مذہب اور سائنس

صدیوں پہلے کسی چیز کی قدر و قیمت کا تعین کرنے کے لیے انسان مشاہدے سے کام لیا کرتا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ انسانی شعور نے ترقی کی، تو تجربات کیے جانے لگے۔ سائنس کی طرف پیش قدمی جاری رہی، لیکن حقائق کو ترتیب دے کر باقاعدہ نتائج اخذ کرنا بعد کی بات ہے۔ یونان میں سائنس کی بجائے فلسفے سے علمی نظریے قائم کیے جاتے رہے۔ انسانوں میں کچھ اور بیداری پیدا ہوئی، تو حقائق تک رسائی کا موجودہ سائنسی طریق اختیار کیا گیا۔ اب کسی مسئلے کے حل کے لیے پہلے مفروضے قائم کیے جاتے ہیں غور و فکر اور مشاہدات کے بعد اعداد و شمار اکٹھا کر کے تجربات کیے جاتے ہیں اور تجربات کی کامیابی پر انھیں بار بار دُہرا کر اصول بنائے جاتے ہیں۔ یہ سائنسی طریقۂ کار ہے اور آج کے دَور میں یہ حصولِ علم کا ایک اہم ذریعہ بن چکا ہے۔ گزشتہ صدی میں سائنسی اندازِ فکر کے بعد یہ سوال شدت سے اٹھایا گیا، کہ کیا مذہبی حقائق تک رسائی سائنس کے ذریعے ممکن ہے؟ بلکہ ایک طبقے نے زور دیا کہ تجربے اور مشاہدے کی کسوٹی پر جو کچھ پورا اترے اسے مان لیا جائے اور باقی رد کر دیا جائے۔

کیا مذہب میں یہ سب ممکن ہے؟ کیا مذہب اور سائنس میں تضاد ہے اور یہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ کیا کوئی ذریعہ علم ایسا ہے جو تجربے کو بدل ہوسکتا ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جو انیسویں صدی میں سائنسی ترقی کے بعد پہلے مغرب میں، بعد ازاں ساری دنیا میں اُٹھائے جانے لگے۔ مذہب کا تعلق صرف زمینی حقائق سے نہیں، بلکہ مابعد الطبعیات سے بھی ہے۔ اس میں ایمان بالغیب اور اعتقادات کی بات ہوتی ہے اور اس کو سائنس کے ذریعے ثابت کرنا ممکن نہیں۔ ماورائی حقائق تک رسائی کا ذریعہ وحی ہے جس کے ذریعے خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے یہ علم دیتا ہے اور مذاہب میں حصول علم کا یہ ذریعہ ہے۔

زندگی کے حقائق جاننے اور دینی علوم کے ادراک کا ایک ذریعہ عقل انسانی ہے مگر ماورائی حقائق تک اس کی رسائی نہیں ہے البتہ اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ معقول اور غیر معقول اُمور میں تمیز کرتی ہے۔ وحی کے سلسلے میں عقل صرف قرینِ عقل یا قابلِ قبول ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں فیصلہ دیتی ہے۔

سائنس اور مذہب کے حوالے سے کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ مذہب ہدایت، راہنمائی اور نجات کے لیے ہے۔ آسمانی کتب اور صحیفے راہنما اصول مہیا کرتے ہیں۔ جب کہ سائنس انسان کو سہولیات دیتی ہے، اور اپنے علم کے حتمی ہونے کا دعویٰ نہیں کرتی۔ اس کے حقائق، تجربات اور مشاہدات کے باوجود بدلتے ہیں۔ اسی لیے یہ حتمی ذریعہ علم نہیں۔ جب کہ ماہرین کا کہنا ہے کہ نظامِ فطرت سے سائنس جس طرح پردہ اٹھا رہی ہے اس سے سائنسی قوانین فطرت کو آشکارا کر کے مذہبی حقائق کی تصدیق کر رہے ہیں۔ اس طرح وہ مذہب کی شاخ بن رہی ہے۔ اس سلسلے میں ایک سائنس دان الیور کا کہنا ہے کہ مذہب کی جانی دشمن کے طور پر جنم لینے والی سائنس، آخر کار اس کی عاجز ترین خادمہ بن گئی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ سائنس کیا ہے؟ کا جواب دیتی ہے اور مذہب ''کیوں'' کا۔ بلکہ اس سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ سائنس جزوی صداقت کا اعلان کرتی ہے۔ مثلاً یہ قانونِ فطرت ہے کہ چیزیں ٹھنڈی ہو کر سکڑتی ہیں جب کہ پانی برف بن کر پھیلتا ہے۔ یہ سائنس کی تجربہ شدہ حقیقت ہے۔ اب سائنس کہتی ہے کہ یہ پانی کی خاصیت ہے۔ مذہب اس معاملے میں ''کیوں'' کا جواب دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ پانی کی اس خاصیت کے نتیجے میں خالق نے اپنی آبی مخلوق کی بقا کی ضمانت دی ہے۔

مذہب کے احکام دراصل تجزیاتی رپورٹ نہیں ہوتے بلکہ وہ صرف نوعِ انسان کے لیے ہدایت کا درجہ رکھتے ہیں۔ مذہب کہتا ہے کہ دودھ کا استعمال مفید ہے، شہد میں شفا ہے یا فلاں کام نہ کیا جائے۔ سائنس تجزیہ کرکے بتاتی ہے کہ دودھ اور شہد کے صحت مند عناصر اور پہلو کون کون سے ہیں؟ اس بات کا جائزہ بھی ممکن ہے کہ جس بُرے کام سے روکا جارہا ہے اس کے طبّی یا نفسیاتی نقصانات کیا ہیں؟ دراصل مذہب کی ہر بات کو سائنس کی کسوٹی پر پرکھنا تو ممکن نہیں، لیکن خدا تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے جو معقول اور غیر معقول اُمور میں تمیز کرتی ہے۔ ایک اخلاقی حِس بھی انسان میں موجود ہے جو نیک و بد میں فرق کا شعور دیتی ہے۔ اسی طرح ایک روحانی جوہر بھی انسان میں موجود ہوتا ہے۔

بظاہر نظر آنے والی چیزوں یا واقعات کے اسباب نامعلوم ہوں تو عقل سے کام لیا جاتا ہے۔ انسانی عقل و شعور ہی سے عقلی استدلال (Reasoning) ممکن ہوا۔ مثال کے طور پر مذہب کی ابتدا کے بارے میں کئی نظریے ہیں اور کئی دعوے اور بہت سے مدعی ہیں۔ ایک یہ کہ کائنات اور انسان کا خالق خدا تعالیٰ ہے۔ اس دعوے کے مدعی مختلف سرزمینوں سے اس دعوے کو وقفے وقفے سے دُہراتے رہے ہیں۔ عقل ایسے دعوے کو قبول کرتی ہے۔ اسی طرح موت کے بعد زندگی کے بارے میں عقل اس بات کو تسلیم کرے گی کہ دُنیا میں اچھے بُرے اعمال کی کامل جزا و سزا ممکن نہیں تو پھر کہیں تو انصاف ضروری ہے۔ گویا مذہبی معاملات میں استدلال (Reasoning) کا جواز موجود ہے۔

محققین میں سے میکس مُلر (Max Muller) کا خیال ہے کہ مذہب کے مظاہر کا احتیاط سے معائنہ کیا جائے۔ سائنسی انداز میں مفروضوں کا جائزہ لیا جائے اور گواہی (Evidence) کی بنا پر صحیح اور غلط کا فیصلہ کیا جائے تو مذاہب کی وضاحت ممکن ہے۔ تاریخی تحقیق سے مذاہب کے ابتدائی تصورات اور اعمال کا کھوج لگایا جا سکتا ہے۔ ٹیلر نے مُلر کے اس نظریے ''مذہبی سائنس'' (Science of Religion) کی تائید کی ہے۔ دراصل مسئلہ مذہب تک سائنس کے ذریعے رسائی میں مشاہدے کے عقلی طریق (Empirical Method of Observation) اور مفروضوں کی تصدیق کا ہے۔ یہ مذہبی مظاہر وسیع اور گہرے ہیں۔ ان کے مطالعے کے لیے بڑی توجہ تعصب سے پاک تحقیق اور مختلف زاویوں سے تصدیق کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب کہ بعض اوقات کچھ سائنس دان اس گہرے تجربے سے نہیں گزرتے۔

میری کیتھلین کننگھم (Mary Kathileen Kinningham) نے بھی سائنس اور مذہب کا جائزہ اس زاویے سے لیا کہ اعداد و شمار اور نظریات سائنس کے اہم جز و ہیں اور مذہب میں بھی ایسا ہی ہے۔ سائنس میں خصوصی مشاہدہ اور تجرباتی اعداد و شمار کا طریقہ بیکن اور ملر کے عہد سے رائج ہے۔ بات مشاہدے سے شروع ہوتی ہے اور اعداد و شمار میں دیے گئے انداز سے جو صورتیں نظر آتی ہیں، ان کی عمومیت سے نظریہ بنایا جاتا ہے۔ اس اندازِ فکر پر تنقید کرتے ہوئے چار معیارات ضروری قرار دیے گئے ہیں:

1۔ اعداد و شمار کے ساتھ مشاہدات کی مطابقت
2۔ ایک نظریے کی دوسرے نظریات سے مطابقت
3۔ جامعیت اور عمومیت
4۔ مستقبل کی تحقیقات کے لیے ڈھانچے کی گنجائش

مذہب میں اعداد و شمار مذہبی تجربات ہیں، جن میں تصورات و عقائد کا ایک ضابطہ ہے۔ یہ تخلیقی تخیل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ تجربات کی

بنیاد پر عقائد کو پرکھا نہیں کیا جاسکتا۔ کہانیاں اور رسوم دوسرے مسلمہ عقائد کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں۔ مذہب ظاہری مفاہیم میں سائنس ہونے کا دعویدار نہیں۔ البتہ سائنس کے اندر دریافت کی روح کو کسی حد تک ظاہر کرسکتا ہے۔ علم کی حدود وسیع ہورہی ہیں اور انسانی شعور بھی مسلسل ترقی پذیر ہے۔ سائنس نے تحقیق کو وسعت دی ہے۔ مذہب اور سائنس کے میدانِ عمل الگ بھی ہیں، ایک بھی اور کہیں ایک دوسرے کے میدانِ عمل میں دخیل (overlaping) بھی ہیں۔ البتہ بنیادی فرق یہ ہے کہ سائنس اپنی ہی تحقیقات کو مزید تحقیقات کے بعد بدل دیتی ہے جب کہ مذاہب کے دیے گئے تصورات دائمی اور غیر متبدل ہیں۔ اس کی وضاحت ایک دو مثالوں سے ہوجاتی ہے۔

نظامِ شمسی کے بارے میں یونانیوں کے دَور سے یہ نظریہ قائم رہا ہے کہ زمین ساکن ہے اور سورج، چاند اور دیگر اجرامِ فلکی اس کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ اٹھارویں صدی کے آغاز میں کوپرنیکلس، گلیلیو اور کیپلر وغیرہ نے سورج کو ساکن اور زمین کو متحرک قرار دیا۔ جب کہ بیسویں صدی میں آئن سٹائن اور دیگر سائنس دانوں نے زمین، سورج اور دیگر اجرامِ فلکی کو متحرک قرار دیا۔

اسی طرح ڈالٹن نے ایٹمی نظریہ پیش کیا اور بتایا کہ ایٹم نا قابلِ تقسیم ہے اور بعد میں جے جے تھامسن اور ردرفورڈ نے اسے قابلِ تقسیم قرار دیا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں ایٹم کے مرکز میں الیکٹرون دریافت کیا گیا جب کہ 1932ء میں جم چیڈوک نے نیوٹران دریافت کیا اور ہائزن برگ نے تجربات کے بعد الیکٹران کے نیوکلیئس میں نہ ہونے کی تصدیق کردی، جدید نظریے کے مطابق مرکز میں نیوٹران اور پروٹان ہیں جب کہ الیکٹران اس کے گرد مخصوص دائروں میں موجود ہیں۔ تحقیقات اور دریافت کے طویل سلسلے کے بعد سائنس مزید تحقیقات کے بعد بہتر (Refine) ہوکر مذہب کے اور قریب آجائے لیکن فی الحال مابعدالطبیعات سائنس کا میدان نہیں ہے۔

فلسفہ اور سائنس:

فلسفی نظریہ قائم کرتا ہے اور سائنسدان اس پر عمل کر کے آسائشات پیدا کرتا ہے۔ فلسفہ نظری ہوتا ہے اور سائنس اس کا عملی پہلو۔ اس طرح فلسفہ سائنس کی رہنمائی کرتا ہے۔ ڈبلیو ٹی سٹیس (W.T.STACE) کے خیال کے مطابق دیگر سائنسی علوم جہاں آکر ختم ہوتے ہیں فلسفہ اُس سے آگے اپنی تحقیقات کا آغاز کرتا ہے۔ اس سے مراد ہے کہ پہلے نظریہ پیدا ہوتا ہے پھر اس نظریہ پر سائنسدان عمل کرتے ہیں۔ جہاں جاکر سائنس کا کام مکمل ہوجاتا ہے وہاں پھر کسی نہ کسی نظریہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ یہ نظریہ سائنس کو فلسفیانہ ذہن رکھنے والے لوگ مہیا کرتا ہے۔ اسی طرح ہربرٹ سپنسر (Herbert Spencer) کا کہنا ہے کہ سائنس جزوی طور پر منظم علم ہے جبکہ فلسفہ کلی طور پر منظم علم ہے۔ فلسفے میں زندگی کے مسائل حل کرنے کے لیے منظم اور مرتب انداز سے وسعتِ قلبی اور وسیع النظری سے کام لیا جاتا ہے۔

فلسفیانہ افکار مقفل ذہنوں کو کھولتے ہیں اس طرح انسانی ذہن اس قابل ہوجاتا ہے کہ پوری کائناتی فضا کے بند دریچے آہستہ آہستہ خودبخود وا ہوجاتے ہیں۔ فلسفہ ہی کی بدولت دنیا کے تمام علوم ایک دوسرے سے منسلک ہوتے ہیں۔ جس سے انسان تخیلاتی کائنات میں بالعموم معنویت، ترتیب، توازن اور کلیت پیدا کرتا ہے۔ فلسفہ علم کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی۔ تنقید ہو کہ تحقیق، ترکیب ہو کہ تحلیل سب کی بنیادیں فلسفہ مہیا کرتا ہے۔ فلسفہ حقیقت کی تہ تک پہنچنے کا طریق کار ہے۔ سوچ بچار اور فکری کاوش سے صرف فلسفہ ہی بتاتا ہے کہ وجود کی اصل ماہیت اپنی فطرت میں کیا ہے؟ اِس طرح فلسفہ، مذہب اور سائنس ہمیشہ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

☆☆☆☆

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیے۔

1۔ سائنس اور مذہب کے تعلق پر نوٹ لکھیں۔

2۔ میکس مُلر کی تحقیقات کا جائزہ پیش کریں۔

3۔ میری کیتھلین کننگھم کی سائنس اور مذہب کے بارے میں آرا پیش کریں۔

(ب) سوالات کے مختصر اً جوابات لکھیں۔

1۔ چیزوں کی قدر و قیمت کا قدیم طریقہ کیا تھا؟

2۔ سائنسی تحقیق کے چار اہم اقدامات کیا ہیں؟

3۔ مذہب کا ماورائی تصور کیا ہے؟

4۔ مذہب میں حُصولِ علم کا سب سے اہم ذریعہ کیا ہے؟

5۔ سائنس دان الیور کا سائنس کے بارے میں کیا قول ہے؟

6۔ فلسفہ اور سائنس میں کیا تعلق ہے؟

(ج) دُرست جواب کی نشان دہی کیجیے۔

1۔ انسانی شعور کی ترقی کے بعد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کا ایک نیا رُجحان پیدا ہوا۔

(ا) مشاہدے (ب) تجربات (ج) فلسفے (د) تصوف

2۔ موجودہ سائنسی طریقِ کار۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔صدی میں پیدا ہوا۔

(ا) اٹھارھویں (ب) انیسویں (ج) بیسویں (د) اکیسویں

3۔ مذہبی علوم کا سب سے بڑا ذریعہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

(ا) عقلِ انسانی (ب) مشاہدات (ج) وحی (د) وجدان

4۔ مذہب کا بڑا مقصد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے؟

(ا) سکون (ب) آسودگی (ج) نجات (د) مشاہدۂ ذاتِ حق

5۔ مذہب میں اعداد و شمار۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہیں۔

(ا) مذہبی تجربات (ب) کہانیاں اور رسوم (ج) تصورات (د) کچھ بھی نہیں

(د) درست جملے کے سامنے ''ص'' اور غلط جملے کے سامنے ''غ'' لکھیں۔

1۔ سائنس کے اندر دریافت کی روح کو مذہب ایک حد تک دریافت کر سکتا ہے۔

2۔ میکس ملر سائنس کے ذریعے ہی مذہبی حقائق کی دریافت کا قائل ہے۔

3۔ مذہبی حقائق کا تعلق نجات اور ہدایت سے ہوتا ہے۔

4۔ مذہبی اعتقادات کی تصدیق سائنسی تجربات سے ممکن ہے۔

5۔ سائنس قوانین فطرت کو آشکارا کر کے مذہب کی تصدیق کر رہی ہے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1۔ ایسے عقائد کی فہرست تیار کریں جن کی تصدیق سائنس سے ممکن نہیں ہے۔

2۔ دو گروہ بنا کر ایک مباحثہ منعقد کریں کہ سائنس اور مذہب میں ٹکراؤ نہیں ہے۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ طلبہ کو اُن مذہبی حقائق سے آگاہ کریں جن کی سائنس تصدیق کر رہی ہے۔

☆☆☆☆

باب
2

پاکستان میں مختلف مذاہب

سناتن/ ہندو دھرم کا تاریخی پسِ منظر:

اسلامی جمہوریہ پاکستان مسلم اکثریت کی ریاست ہے۔جس میں دیگر مذاہب کے پیروکار غیر مسلم بھی بڑی تعداد میں آباد ہیں۔ پاکستان میں مسیحی، ہندو، سِکھ، بُدھ، جین، پارسی، بہائی، کالاش اور دیگر مذاہب کے ماننے والے بستے ہیں۔تمام مذاہب کے پاکستانی شہری نہ صرف باہم مل جُل کر امن و سکون سے رہتے ہیں بلکہ ان کے مسلمانوں سے تعلقات بھی مثالی ہیں۔ پاکستان کے سب شہری ملک کے استحکام اور ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔

سناتن دھرم:

برصغیر ہمیشہ سے قدیم انسانی تہذیب کا مرکز رہا ہے۔آریاؤں کی آمد سے پہلے یہاں دراوڑی آباد تھے،جن کی اپنی ثقافت اور مذہبی روایت واضح اور مہذب تھیں۔تاہم مذہبی روایت کا آغاز آریاؤں کی آمد سے کیا جاتا ہے۔ ہندو دھرم جنوبی ایشیا بالخصوص بھارت اور نیپال میں غالب اکثریت کا مذہب ہے جس کی بنیاد برصغیر میں رکھی گئی۔ اسے دنیا کا قدیم ترین مذہب مانا جاتا ہے،عقائد اور روایات سے بھرپور سناتن دھرم کے کئی بانی مانے جاتے ہیں۔ اِس کی ذیلی روایات وعقائد اور فرقوں کو اگر ایک سمجھا جائے تو ہندو دھرم مسیحیت اور اِسلام کے بعد دُنیا کا تیسرا بڑا مذہب ہے۔اِس کے تقریباً ایک اَرب پیروکار ہیں جس میں سے 905 ملین بھارت اور نیپال میں رہتے ہیں۔ ہندو دھرم کے پیروکاروں کو ہندو کہا جاتا ہے۔ ہندو دھرم کو سناتن دھرم بھی کہتے ہیں، جو سنسکرت کے الفاظ ہیں،جن کا مطلب ”لازوال قانون“ ہے۔اِس کی جڑیں قدیم ہندوستان کے ویدی مذہب سے ہیں۔ ہندو دھرم چار ہزار 4000 قبل مسیح سے پانچ ہزار 5000 قبل مسیح کے قریب وادی سندھ کی تہذیب کی شروعات سے پہلے بھی موجود تھا۔اِس لیے اِسے دُنیا کا قدیم ترین مذہب مانا جاتا ہے۔

ویدک دور میں لوگوں کا مذہبی رجحان بدھ مذہب کی طرف ہوا،تو ویدوالوں کے لیے ضروری ہوگیا،کہ اس کی ازسرِ نو تنظیم کریں۔چنانچہ ویدک دھرم میں بنیادی تبدیلیوں کے بعد اسے ساتن/ ہندو دھرم کا نام دیا گیا اور سماجی نظام کو بھی اس میں شامل کرلیا گیا۔اب ہندو دھرم کا دائرہ وسیع ہو چکا تھا۔جس میں مذہبی اور سماجی دونوں نظام شامل تھے۔

ہندو دھرم کے جن مذہبی رجحانات کا اظہار مہابھارت اور رامائن کی رزمیہ نظموں پانچ سو 500 قبل مسیح (BCE) سے چارسو 400 قبل مسیح (BCE) میں ملتا ہے وہ پرانوں کے دَور 400 سے 1200 قبل مسیح (BCE) تک خوب برگ و بار لایا۔عہد وسطی اور دورِ حاضر کے ہندو مذہب کی بنیاد درحقیقت انھیں مذہبی رجحانات اور رسومات پر ہے جو رزمیہ نظموں کے زمانے سے اُبھر کر پرانوں کے دور میں اپنے درجہِ کمال کو پہنچے۔پرانوں نے نئی ہندو دینیات کے لیے مستحکم بنیادیں فراہم کرنے کی کوشش کی۔

ہندو دھرم مختلف مثبت اور متضاد عقائد ورسوم،رجحانات،تصورات اور نظریات کے مجموعہ کا نام ہے۔ یہ کسی ایک شخص کا قائم کردہ یا لایا ہوانہیں ہے بلکہ مختلف نظریات کا ایک ایسا مرکب ہے جو صدیوں میں جا کر تیار ہوا ہے۔اس کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ الحاد سے لے کر

عقیدہ وحدۃ الوجود تک بلا قباحت اس میں ضم کر لیے گئے ہیں۔ ہندو دھرم ایک نظام ہے، جس کے اندر عقائد، رسوم اور تصورات کی بہتات ہے۔ اسے ویدی مذہب کی ترقی یافتہ، توسیع یافتہ اور تبدیل شدہ شکل بھی کہا جا سکتا ہے کیوں کہ وہ نظریہ جہاں سے یہ نکلا ہے وہ بہر حال ویدی مذہب ہی تھا۔

ہند آریائی مذہب:

آریائی دور اس عہد سے تعلق رکھتا ہے جب آریا برصغیر میں آئے اور یہاں کے مقامی باشندوں سے برسرپیکار ہوئے۔ برصغیر میں آنے کے بعد آریا چند صدیوں میں اپنی زبان بھول گئے اور ساتھ ہی ساتھ اپنی دیگر خصوصیات مثلاً روایات، رسم و رواج اور ثقافت بھی کھوتے چلے گئے۔ انھوں نے یہاں کی مختلف قوموں کے تمدنی اثرات، عقائد اور رسوم کو قبول کر لیا اور ان دیوتاؤں کو بھی اپنے دیوتاؤں میں شامل کر لیا جن کی عبادت غیر آریا کیا کرتے تھے، مگر وہ اپنی انفرادیت اور نسلی برتری کو کھونے کے لیے تیار نہ تھے۔ چنانچہ انھوں نے ایک طرف ہر اس جماعت اور مذہب سے ٹکر لینے کی ٹھانی جس نے ان کی عظمت سے انکار کر دیا اور دوسری طرف ذاتوں کی بندش کو سخت کر کے ایسے عقائد و رسوم کا جال پھیلا دیا کہ لوگوں کے لیے اس سے نکلنا ممکن نہیں تھا۔ انہوں نے ویدی عہد کی مذہبی کتابوں اور دیوتاؤں کو احترام کے دائرے میں محدود کر دیا اور نئی کتابوں کی تصنیف اور نئے دیوتاؤں کی شمولیت سے مذہبی نظام قائم کیا۔

ہندو دھرم میں بھگوان سے محبت رکھنے کا اثر مذہبی تصورات کے ساتھ ساتھ طریق عبادت اور مذہبی رسومات پر بھی بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ ہندو دھرم کی ایک بہت بڑی خصوصیت جو کہ درحقیقت اس کی مقبولیت اور نشوونما کا بڑا سبب بھی ثابت ہوئی اس کی وسیع المشربی اور افکار و رسومات میں مختلف روایتوں کو اپنے اندر سمو لینے کی صلاحیت تھی۔ قدیم برہمنی حتی الامکان دیدک روایات کا وفادار رہا تھا۔ ویدک دَور میں برہمن کی مذہبی اجارہ داری قائم تھی، اور وہ اس سے دست بردار ہونے کو تیار نہ تھے۔ اس میں جو تبدیلیاں ہوئیں وہ بھی کسی حد تک خود برہمنوں کے اپنے ارتقا کا نتیجہ تھیں۔ ویدک دور میں واقع ہونے والی تبدیلیوں کے لئے برہمن طبقہ براہ راست ذمہ دار تھا۔ برہمن کی یہ بھی خصوصیت تھی کہ اس کا دائرۂ عمل صرف سماج کے اعلیٰ طبقہ تک محدود تھا۔ سماج کے درمیانی اور نچلے طبقے نہ تو اس سے براہ راست استفادہ کر سکتے تھے اور نہ برہمن کو ان کی مذہبی ضرورتوں سے کوئی دلچسپی تھی۔ ہندو دھرم اپنے ابتدائی مدارج میں ہی صرف برہمن طبقے کا مذہب بن کر رہ گیا تھا۔ سماج کا دوسرا اعلیٰ طبقہ یعنی چھتریوں یا حکمرانوں کا طبقہ تو اس مذہب سے بالواسطہ (برہمنوں کے ذریعے) کسی حد تک مستفید ہو سکتا تھا۔ البتہ ملک کی اکثریت (غریب چھتری، ویش، شودر اور اچھوت) اس مذہبی روایات سے ناآشنا ہی رہتے تھے۔

ہندو دھرم کے چار وید:

1۔ رِگ وید	2۔ سام وید
3۔ یَجُر وید	4۔ اَتھر وید

وید کا لفظ ''وِدْ'' سے نکلا ہے جس کے معنیٰ ''جاننے اور علم'' ہیں۔ اس لیے وید کا اطلاق عام علوم یا مخزن علوم کے ہیں، جسے ''سنہیتا'' کہتے ہیں۔ یہ مخزن علوم شروع میں تین مجموعوں پر مشتمل تھا۔ رگ وید سنہیتا، سام وید سنہیتا اور یجر وید سنہیتا، بعد میں اس میں اتھر وید سنہیتا کا

اضافہ ہوگیا، جومضمون کے لحاظ سے ایک ہی ہے۔ یہ سنہیتا منتروں یا بھجنوں کا مجموعہ ہیں۔ ہندو عقیدے کے مطابق یہ تمام وید الہامی ہیں اور پرمیشور کے خاص بندوں کے ذریعے پہنچائے گئے ہیں۔ بھگوان برہما نے انھیں خود اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔

ویدوں کے مضامین سے صاف ظاہر ہے کہ کچھ منتروں کو چھوڑ کر بقیہ برصغیر کی سرزمین پر لکھے گئے ہیں۔ جب آریا یہاں آئے تھے تو انہیں کچھ مذہبی بھجن زبانی یاد تھے اور انہیں زبانی منتقل کرتے گئے اور جب وہ فن تحریر سے آگاہ ہوئے، تو ان کی ابتدائی تحریریں یہی بھجن اور منتر تھے، جو اب رگ وید کا حصہ ہیں اور تکرار اور حذف واضافے کے ساتھ دوسرے ویدوں میں شامل کیے گئے ہیں اور ان کے بہت سے مضامین بہت بعد کے حالات پر مشتمل ہیں۔ اس طرح ویدوں کا زمانہ 1000 ق م سے 600 ق م (BCE) تک متعین ہوتا ہے جو قرین قیاس ہے۔

رِگ وید:

اس وید کا زیادہ تر حصہ ابھی تک نا قابل فہم ہے اور یہ منتر، مناجات اور حمد پر مشتمل ہے۔ ان منتروں سے دھرم کی ارتقائی حالت، مقاصد، سیاسی تنظیم اور دشمنوں کے تمدنی مدارج پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ ان میں بہت سے بھگوانوں کا نام لے کر دولت وشہرت طلب کی گئی ہے اور دشمنوں کے مقابلے میں اپنی فتح اور کامرانی کی دعائیں کی گئی ہیں۔

سام وید:

قدامت کے لحاظ سے رگ وید کے بعد سام وید کا نام آتا ہے۔ اس کے تمام منتر سوائے 571 منتروں کے رگ وید سے ماخوذ ہیں جنھیں اس میں خاص طور پر اکھٹا کیا گیا ہے، تاکہ رسموں کو ادا کرنے میں آسانی ہو۔ اس کے تمام منتر بلند آواز میں پڑھے جاتے ہیں، یہی وجہ ہے اس کا نام سام یعنی ترنم ہے۔

یجُر وید:

یجُر وید سنسکریت کے لفظ ''یجُر ویدا'' سے ماخوز ہے۔ ''یجُوس'' کا مطلب منتر اور ''ویدا'' کا مطلب علم ہے یعنی علم کے منتر۔ یہ ان منتروں کا مجموعہ ہے جو پنڈِت مذہبی رسوم کے دوران پڑھتے ہیں۔ سام وید کی طرح اس کے منتر بھی رگ وید سے ماخوذ ہیں۔ اس میں منتروں کے درمیان پوجا کے لیے ہدایتیں بھی ہیں۔ یجر وید کو دو اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے، کرشنا یجر وید اور شکلہ یجر وید۔ اوّل الزکر میں غیر واضح اور غیر ترتیب یافتہ آیات جبکہ موخر الزکر میں ترتیب کے ساتھ واضح آیات ہیں۔

اتھر وید:

اس کی تصنیف بہت بعد میں ہوئی ہے، مگر اس کے بعض حصے رگ وید سے بھی قدیم ہیں۔ یہ مذکورہ بقیہ تین ویدوں سے مختلف ہیں۔ اس کے منتر زیادہ تر جادوٹونے پر مشتمل ہیں اور بھوتوں کا ذکر بھی ہے۔

ہندودھرم کی مقدس پوتھیاں (مذہبی کتب)

1۔ مہابھارت:

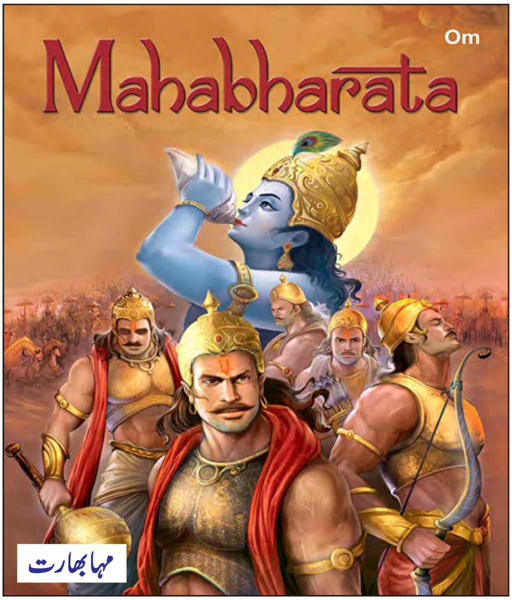

مہابھارت، رامائن سے زیادہ ضخیم ہے، اس کے اندر ایک لاکھ اشعار ہیں، جو بیس ہزار قطعات میں منقسم ہیں۔ ان کے علاوہ نظموں کا ایک اور مجموعہ بھی ہے، جو چوبیس ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا مصنف ویاس بتایا جاتا ہے۔ یہ کتاب بھی کسی ایک مضمون کے متعلق نہیں ہے، بلکہ اس میں قصے، پندونصائح بھی، رزمیہ کارنامے، فلسفیانہ بحثیں اور یوگ کے دروس ہیں۔ ان میں سب سے اہم بھگودگیتا ہے۔

یہ حقیقتاً نئے مذہب کی کتاب ہے، جس کے اکثر تصورات گو اُپشند سے ماخوذ ہیں، تاہم نتیجے کے لحاظ سے ان سے مختلف ہیں۔ تناسخ کے فلسفہ پر زور دیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ خود بھگوان کرشن کا کہنا ہے کہ میں نرائن، واسدیو، وشنو اور برہما ہوں۔ دوسرے الفاظ میں وہی معبود اور روحِ کل بھی ہیں۔ ہندوؤں کے خیال میں اس میں ایک ہستی کو تسلیم کر کے وحدت الوجود کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس نظریے نے کچھ عرصہ کے بعد ایک بڑے فرقے کی صورت اختیار کر لی۔ اس حقیقت کو سمجھانے کے لیے بھگودگیتا میں تین طریقے بتائے گئے ہیں۔ (1) جنان مارگ یعنی علم کے ذریعے (2) کرم مارگ یعنی عمل کے ذریعے (3) بھکتی مارگ یعنی گیان و یوگ کے ذریعے۔ یہاں بھی اُپشند کی طرح آرواگون سے رہائی پا جانے کے لیے مکتی یا نجات کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

مہابھارت قدیم اور طویل ترین منظوم داستان ہے جسے ہندودھرم کے مذہبی صحائف میں معتبر حیثیت حاصل ہے۔ ضخامت کے لحاظ سے اس کے اشلوک اٹھارہ جلدوں کے 25 لاکھ الفاظ پر مشتمل ہیں۔ اسے سمرتی کے حصہ اتہاس میں داخل سمجھا جاتا ہے۔ مہابھارت موضوعات کے لحاظ سے انتہائی متنوع ہے جس میں جنگ، راج دربار، محبت، مذہب سبھی کچھ شامل ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ چار بنیادی مقاصدِ حیات مثلاً دھرم، ارتھ، کام، موکش سبھی کا مرکب ہے۔ بھگودگیتا دراصل مہابھارت ہی کا مختصر حصہ ہے مگر اہمیت کے اعتبار سے جداگانہ شناخت کی حامل ہے۔

2۔ بھگودگیتا:

''بھگودگیتا'' بھگوان شری کرشن کی وانی ہے یعنی بھگوان شری کرشن اور پانڈو بھائیوں کی گفتگو جو مہابھارت (ایک بڑا دھرم یدھ) کے دوران ہوئی۔ یہ گفتگو شاعرانہ اشلوکوں میں ہے۔ یہ ہندودھرم کی بہت اہم کتاب ہے جو کافی حد تک معرفت اور فعالیت کا مرکب ہے۔ بھگوان شری کرشن نے اس میں انسانوں کی اصلاح کی تعلیمات دی ہیں۔ بھگودگیتا کا آغاز عمل سے ہوتا ہے۔ بھگودگیتا میں بھگوان شری کرشن کہتے ہیں، کہ کام کرنا ہر مرد اور عورت کا فرض ہے۔ بھگوان شری کرشن کے مطابق زندگی کا مقصد انسان کی خدمت

ہے نہ کہ خود غرضی۔خدمت کی نیت سے کیا ہوا عمل اعلیٰ مقام رکھتا ہے لہٰذا انسان کو چاہیے کہ خود کو ایشور کا خادم سمجھ کر مخلوق کی خدمت کرے، صلہ یا لالچ کو سامنے نہ رکھے۔ایسا انسان عارف اور مہاتما کہلاتا ہے۔بھگود گیتا 18 ادھیائے/باب پر مشتمل ہے، جو دنیا کی بہترین اور بڑی مستند کتاب مانی جاتی ہے۔یہ کتاب بھگوان شری کرشن کے کارناموں، فلسفوں، مذہبی اور اخلاقی اُصولوں پر مشتمل ہے۔اس میں معرفت اور فعالیت پائی جاتی ہے۔اس کتاب میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ دلچسپی سے عاری عمل زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتا۔اس کے علاوہ بھگود گیتا میں بھگوان شری کرشن کے تمام بنیادی تصورات اور فلاسفی بیان کی گئی ہے۔

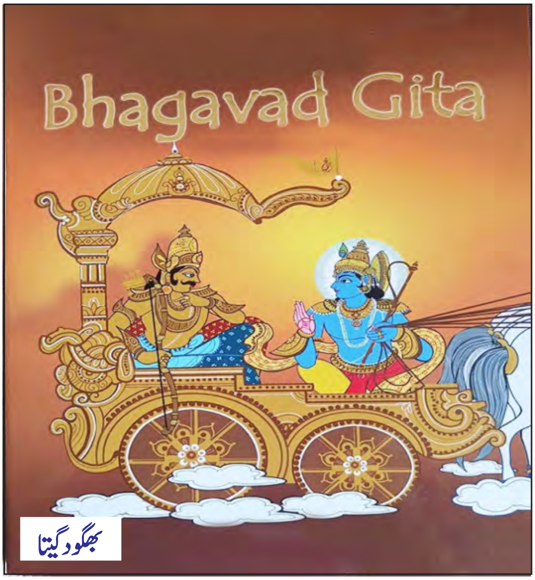

بھگود گیتا

3۔ رامائن:

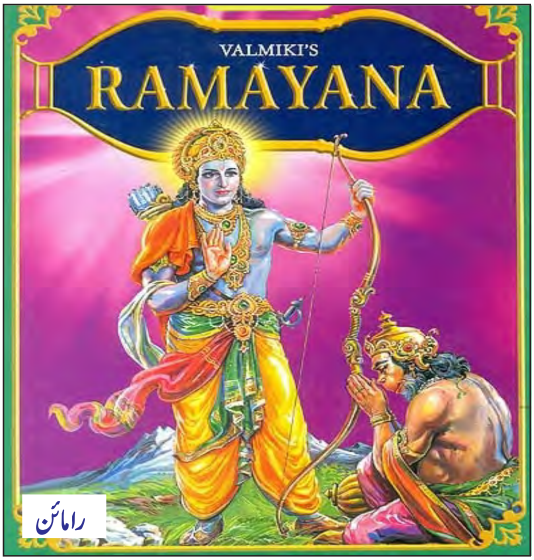

رامائن

رامائن فلسفیانہ بحث سے خالی ہے۔اس میں جو کچھ قابل تذکرہ ہے۔ وہ بھگوان شری رام چندر اور ماتا سیتا کی سیر پر مشتمل ہیں۔سنسکرت زبان میں ایک طویل رزمیہ نظم ہے، جس میں بھگوان وشنو کے اوتار بھگوان شری رام چندر کے حالاتِ زندگی بیان کیے گئے ہیں۔ بعض روایات کے مطابق اسے سنسکرت کے ایک شاعر والمیکی نے تیسری صدی قبل مسیح (BCE) میں مختلف لوک گیتوں سے استفادہ کرکے تالیف کیا تھا۔تقریباً 500 سال تک دیگر شعرا اس میں اضافے کرتے رہے۔ رامائن میں 24 ہزار اشعار ہیں اور یہ مہابھارت کے مقابلے میں مختصر لیکن معاملہ بندی کے لحاظ سے زیادہ منظم اور اسلوب کے اعتبار سے بہترین ہے۔رامائن کے سب سے اہم کردار بھگوان رام چندر جی، لکشمن جی اور ماتا سیتا ہیں۔

4۔ براہمن گرنتھ:

آریا اس ملک میں آنے کے بعد جلد اپنی زبان بھول گئے، جب انھوں نے ان منتروں کو جو اُن کو یاد تھے یا جنھیں وہ سمجھ سکتے تھے، کچھ نہ کچھ تفسیریں لکھ لیں اور بقیہ حصہ کو چھوڑ دیا، لہٰذا البقیہ حصہ نا قابل فہم بن گیا۔یہ تفسیریں براہمن کے نام سے مشہور ہیں۔یہ سب کے سب منتر ہیں، مگر زیادہ تر اساطیری واقعات اور قربانی کے متعلق ہدایتیں ہیں۔یہ براہمن بہت سارے لکھے گئے تھے، مگر اب صرف سات باقی بچے ہیں۔

5۔ آرن یک:

براہمنوں کے بعد آرن یک کا نام آتا ہے، جو بطور ضمیمہ براہمنوں میں شامل ہیں، ان کو جنگلوں کی بیاض بھی کہتے ہیں۔ کیوں کہ یہ اس قدر پاک ہیں کہ ان کو صرف جنگلوں میں ہی پڑھا جا سکتا ہے۔ ان میں آریاؤں کے لیے ہدایتیں درج ہیں۔ یہ براہمن کی طرح ہیں، مگر ان میں رسومات کے برخلاف معنوں سے سروکار کیا گیا ہے۔

6۔ اُپنشد:

یہ ویدی دور کا آخری ضخیم حصہ ہے، جسے معنویت اور فلسفیانہ گہرائی کی وجہ سے بڑی اہمت حاصل ہے۔ اپنیشد کے معنی کسی کے آگے بیٹھنے کے ہیں اور اصلاحی معنی اسرار کے ہیں۔ یہ بہت سے ہیں، کچھ نظم میں اور کچھ نثر میں ہیں۔ انہیں عام طور پر ویدانت کہتے ہیں، جس کے معنٰی وید کا تتمہ ہے۔ بعض لوگوں نے بھگود گیتا اور سوتروں کو بھی ودیانت میں شمار کیا ہے۔

7۔ پران:

پران جو تعداد میں اٹھارہ ہیں ان کے علاوہ دو اور پران ہیں، اس طرح یہ تعداد میں بیس ہو جاتے ہیں۔ ان کتابوں کے عنوانات یہ ہیں:

''تخلیقِ کائنات''، یعنی کائنات کس طرح وجود میں آئی۔ ''کائنات کی تخلیق نو''، یعنی یوگ چکر کے بعد مہایوگ شروع ہوتا ہے، اس سے پہلے تین یوگ، ست یوگ، ترتیا یوگ اور دواپر یوگ گزر چکے ہیں، اب آخری یوگ، کل یوگ چل رہا ہے۔ ہر یوگ تنتالیس لاکھ سال کا ہوتا ہے۔

تری مورتی

ہندو دھرم میں تری مورتی یعنی بھگوان برہما، بھگوان وشنو اور بھگوان شیو بہت اہم ترین ہیں۔ بھگوان برہما، بھگوان وشنو اور بھگوان شیو کو اکٹھا ''تری مورتی'' کہا جاتا ہے۔ تری مورتی کو ہندو دھرم کا ''عقیدۂ تثلیث'' بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے ماتحت بے شمار دیوتا اور دیویاں مقرر ہیں۔ تری مورتی کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ بھگوان برہما، بھگوان وشنو اور بھگوان شیو ہندو دھرم میں سب سے بڑے بھگوان ہیں، لیکن آپس میں ان کی حیثیت کا متعین کرنا مشکل کام ہے۔ تری مورتی میں شامل تینوں بھگوان ہندو دھرم کی اساس ہیں۔

1۔ بھگوان برہما (تخلیق کرنے والے)
2۔ بھگوان وشنو (رحمت و شفقت)
3۔ بھگوان شیو (قہار یعنی فنا)

(ا) بھگوان برہما:

ہندو دھرم میں یہ بھگوان خالق اور کائنات کا نقطہ آغاز مانے جاتے ہیں۔ تری مورتی تثلیث میں بھگوان برہما کا سب سے پہلا جزو ہیں۔ اس بھگوان کی پوجا بہت کم ہوتی ہے۔ برہما یا براہما خدائی تخلیقی صفات سے معنون ہیں۔ ہندو دھرم کے فلسفے کے مطابق کائنات اور انسانی زندگی پر تین طاقتیں حاوی ہیں۔ جن کا تعلق تخلیق، الوہیت اور موت سے ہے۔ ہندو کائنات کی وحدت کو تین حصوں میں تقسیم کرتے

بھگوان برہما

ہیں۔ اوّل بھگوان برہما یعنی کائنات کو پیدا کرنے والا۔ دوسرا بھگوان وشنو یعنی پرورش کرنے والا۔ تیسرے بھگوان شیو یعنی موت دینے والا۔ ہندو دھرم کے عقائد کے مطابق براہما نے کائنات تخلیق کی اور پھر اس کا کام ختم ہو گیا اور اب وہ متحرک نہیں ہیں۔ ہندو دھرم کے نزدیک بھگوان وشنو اس دنیا میں اوتار کی حیثیت سے دس مرتبہ ظاہر ہوں گے۔ بھگوان برہما پیدائش کے لیے مستعمل لفظ سے مشتق برہما، غیر شخصی، کائنات کا وہ اعلیٰ ترین اور ناقابل اُصول ہے جس کی رو سے ہر چیز کا ظہور ہوا اور جس میں سب کچھ واپس لوٹ جانا ہے۔ اس کا کوئی جسم نہیں، غیر مادی اور ابدی ہے۔ اس کا کبھی آغاز نہیں ہوا نہ ہی کبھی انجام ہوگا۔ مادہ اور شعور ہر دو کا جوہر اسی سے اٹھتا ہے۔ مسبب الاسباب اور کائنات کا پس منظر ہے۔ برہما کبھی آرام نہیں کرتا غیر متغیر ہے کبھی غیر موجود نہیں ہوتا ہے، اگر چہ اس کا مقام وجود نہیں بتایا جا سکتا ہے۔ شعور اور روح کے بنیادی کائناتی سرچشمہ ہونے کے باعث برہما بنیادی یا کائناتی ذات ہے جو فرد کے روحانی باطن کا سورج ہیں۔ چناں چہ کائنات کی سب سے بڑی شے سے لے کر ایٹم تک ہر شے یا وجود کی ذات کا اصل جوہر خود بھگوان برہما ہیں۔ ہر ہندو کی یہ تمنا ہے کہ وہ ایک روز اس روح مطلق میں جذب ہو جائے اس میں اپنا نروان پائے۔ اس بھگوان کے چار سر اور چار ہاتھ ہیں جن میں سے ایک ہاتھ میں مالا، دوسرے میں کمنڈل، تیسرے میں کنول کا پھول اور چوتھے میں وید ہوتا ہے۔ یہ میرو پربت پر اپنی دھرم پتنی دیوی سرسوتی کے ساتھ رہتے ہیں۔ جو فنون لطیفہ کی دیوی ہیں اور مور پر سوار ہوتی ہیں۔

(ب) بھگوان وشنو:

بھگوان وشنو

بھگوان وشنو ہندو دھرم کے اہم نظریے تری مورتی کے دوسرے جزو ہیں جو خدا کی ربوبیت اور رحمت سے متصف ہے۔ یعنی اگر برہما کو تخلیق کار کے روپ میں دیکھا جاتا ہے تو بھگوان وشنو اپنی رحمت و شفقت سے کائنات کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ لہٰذا انھیں پالن ہار کا درجہ حاصل ہے۔ ویدوں اور اپنیشدوں میں بھگوان وشنو کا بارہا ذکر آیا ہے۔ انھیں نارائن بھی کہا جاتا ہے۔

وشنو کے اوتار:

ان کے اوتاروں کی تعداد دس بتلائی جاتی ہے جس میں سے نو آچکے ہیں۔ دسویں اوتار کا آنا ابھی باقی ہے۔ اوتار (Avatar) کے معنی ایشور کی جانب سے ''اتارا ہوئے'' کے ہیں۔ اوتار بھگوان کا روپ ہوتے ہیں۔ جب کائنات میں پاپ بڑھتا ہے یا کوئی دھرم کو تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے تو کائنات اور دھرم کو بچانے کے لیے بھگوان وِشنو کسی اوتار کی شکل میں جنم لیتے ہیں۔ مختلف ادوار میں اُنھوں نے نو بار جنم لیا ہے اور ایک بار جنم لینا باقی ہے۔

بھگوان وشنو کے اوتاروں کے نام درج ذیل ہیں:

1۔ متسیا: مچھلی کی شکل اختیار کر کے ایک سادھو منو کی مدد کی تھی۔ 2۔ کورم: کچھوے کی شکل اختیار کر کے مندھر پہاڑ جو سمندر میں غرق ہو رہا تھا اُسے اپنی پیٹھ پر اُٹھایا۔ 3۔ وراہ: ہرن یکش دیو کو مارنے کے لیے سور کا جنم لیا تھا۔

متسیا

کورم

وراہ

4۔ نرسنگھ: یہ وشنو کے چوتھے اوتار ہیں۔ ''ہرن کلسپو' راکشیں' کا نام ایک خودسر راجہ تھا جو ریاعا سے اپنے آپ کو ایشور کہلواتا تھا۔لیکن اس کا بیٹا پرلاد اُسے ایشور نہیں مانتا تھا اور بھگوان وِشنو کا بھگت تھا۔اس کا بھگوان وشنو پر پورا اعتقاد تھا۔اُس نے باپ سے کہا کہ بھگوان وِشنو تینوں لوکوں کا مالک ہے۔اس کے باپ نے اس کے طور طریقوں سے ناراض ہو کر اُسے مارنا چاہا۔پہلے اسے پہاڑی کی چوٹی سے پھینکا گیا لیکن غیر مرئی قوت نے اسے بچا لیا پھر اسے زہر دیا گیا پھر اس کو جلانے کے لئے اس کی پھوپھی ہلکار جس کو یہ وردان تھا کہ آگ اِسے نہیں جلاسکتی ۔راجا کے حکم سے پرلاد کو آگ میں لے بیٹھی مگر پرلاد بچ گیا اور ہولیکا جل کر راکھ ہو گئی۔اس طرح ہیرانیا نکساپ جب اپنے ارادوں میں پے درپے ناکام ہوا تو بالآخر اس نے پرلاد کو بلا بھیجا اور پوچھا، کہ وہ کیوں اس کی برتری کو نہیں مانتا اور کس کے کہنے پر یہ شعار اختیار کیا ہے۔لڑکے نے جواب دیا۔کائنات کا مالک جو تمام حکمرانوں سمیت آپ کا بھی مالک ہے جو آپ سے عظمت میں کہیں بڑا اور طاقتور ہے اور جس نے میرے دل وجان کو اپنے قابو میں کر رکھا ہے اور اسی نے یہ طریقہ سکھلایا ہے۔یہ جواب سن کر راجہ طیش میں آ گیا اور فوراً میان سے تلوار کھینچ کر بولا۔تو یہ کہنے کی کیسے جرات کرتا ہے کہ تیرا مالک مجھ سے زیادہ قوت اور طاقتور ہے۔تیرا آقا کہاں ہے؟ اسے مجھے دکھلا۔لڑکے نے جواب دیا وہ ہر جگہ موجود ہے۔راجہ نے سوال کیا، وہ اس تاج میں ہے؟ بیٹے نے جواب دیا ''ہاں'' یہ سن کر راجا نے تاج پر تلوار کا وار کیا اور وہ دو ٹکڑے ہو گیا، پھر پوچھا۔کہ کیا اب بھی تو مجھے خدا نہیں مانتا، پرلاد نے دل میں بھگوان کو یاد کرتے ہوئے کہا نہیں۔راجہ نے یہ کہتے ہوئے کہا کہ اب اپنے بھگوان سے کہہ کر تجھے مجھ سے بچائے زور سے ستون پر تلوار کا ایک ہاتھ مارا فوراً شاندار ستون پھٹ گیا اور وشنو بھگوان نے نرسنگھ کی صورت میں نمودار ہو کر اس پاپی راجہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور اپنے ایک بھگت کو بچا لیا۔

نرسنگھ

5۔ وامن: ایک حکمران بلی نے آسمان پر قبضہ کر کے دیوتاؤں کو جلاوطن کر دیا تھا۔بھگوان وشنو نے ایک بونے کی شکل میں جنم لے اُسے آسمانوں سے نکالا۔

6۔ پرشورام: جب کشتریوں نے براہمنوں پرظلم کرنا شروع کر دیا توبھگوان وشنو نے پرشورام کے اوتار میں جنم لیا اور کلہاڑی سے تمام کشتریوں کوقتل کر دیا۔

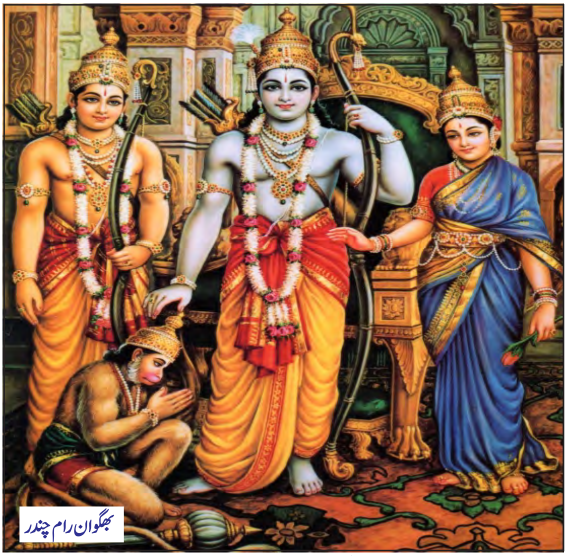

7۔ بھگوان رام چندر: بھگوان شری رام، ہندو دھرم میں سے سب سے زیادہ پوجے جانے والے بھگوان ہیں جو سچائی اور بہادری کا مجسمہ ہیں۔بھگوان وشنو کے اوتاروں میں ساتویں اوتار شری رام چندر جی ہیں۔جو بڑی اہمیت کے مالک ہیں۔ان کا ذکر مشہور رزمیہ نظم رامائن میں کیا گیا ہے۔شری رام چندر اجودھیا کے راجہ دشرتھ کے بیٹے تھے۔اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔عقل وفہم میں بھی دوسروں سے ان کا درجہ بلند تھا۔ہندوؤں میں رام کی بڑی عزت ہے اور ہر ہندو کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ مرنے سے قبل آخری لفظ جو اس کے منہ سے نکلے وہ ''رام'' ہو۔رامائن کے کردار مثالی اخلاق کا نمونہ جانے جاتے ہیں۔بھگوان شری رام چندر شرافت، عہد، اطاعتِ والدین کے اعتبار سے بہترین انسان اور مثالی بیٹے تھے۔سیتا ماتا شوہر کی فرمانبرداری اور وفاشعاری کے لحاظ سے معیاری عورت اور بہترین بیوی تھیں۔لکشمن وفاداری اور جاں نثاری میں بہترین بھائی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ہنومان جی کو سردار اور راہنما کی اطاعت کا مجسمہ سمجھا جاتا ہے۔بھگوان شری رام کی بھگوان وشنو کے حیثیت سے پوجا کی جاتی ہے۔ان کی طرف خدائی صفات منسوب کی جاتی ہیں۔رام چندر جی مہاراج ساتویں اوتار ہیں۔بن باس کے دوران رام چندر جی کی دھرم پتنی سیتا دیوی کو لنکا کا راجا راون اُٹھا کر لے گیا، تو رام چندر جی مہاراج نے اسے شکست دے کر اپنی بیوی سِیتا دیوی کو چھڑا لیا۔اس دِن کی فتح کی یاد میں ہندو دسہرہ کا تہوار مناتے ہیں۔اس کے بیس دن بعد دیپاولی (دیوالی) کا تہوار منایا جاتا ہے جو ماتا سیتا اور شری رام چندر جی مہاراج کے اجودھیا پہنچنے کی خوشی میں منایا جاتا ہے۔سری رام چندر جی مہاراج اور ماتا سیتا کے کرداروں نے ہندو دھرم میں اخلاقیات کو پروان چڑھایا۔

8۔ بھگوان کرشن جی: ہندو مذہب میں بے شمار اوتار ظہور پذیر ہوئے لیکن اُن میں سے کچھ کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔بھگوان شری

بھگوان کرشن جی

کرشن کی پیدائش متھرا میں ہوئی جو دریائے جمنا کے کنارے واقع ہے۔ ان کے والد کا نام ''واسودیو'' تھا۔ اس وقت شمالی ہندستان میں واقع متھرا پر راجا کنس حکومت کرتا تھا۔ یہ بہت ظالم راجا تھا، اس نے اپنے والد کو قید کر کے یہ حکومت حاصل کی تھی۔ اس کی رعایا اس سے خوفزدہ رہتی تھی۔ راجا کنس کو آکاش وانی ہوئی کہ اس کی بہن ''دیوکی'' کا آٹھواں بچہ اُسے قتل کر دے گا۔ راجا بڑا پریشان ہوا۔ اس نے اپنی بہن اور بہنوئی کو قید خانے میں ڈال دیا اور یکے بعد دیگر ہونے والے سات بچے قتل کر دیئے۔ بھگوان شری کرشن 3227 قبلِ مسیح ساون مہینے کی کشن پکشن کی اشٹمی (آٹھواں دن) آدھی رات کے وقت پیدا ہوئے۔ ان کے والد پیدا ہوتے ہی اِنھیں اپنے ایک دوست نند جی کے پاس لے گئے۔ اتفاق سے نند جی کی بیوی یشودا جی کے ہاں بھی اُسی وقت ایک بچی پیدا ہوئی تھی۔ بھگوان کرشن والد بچے کو وہاں چھوڑ کر اُس بچی کو قید خانے میں لے آئے۔ جب راجا کو علم ہوا کہ اس کی بہن کے ہاں بچی پیدا ہوئی ہے تو راجا اس بچی کو مارنے کے لئے قید خانے میں آیا لیکن جیسے ہی بچی کو مارنے کی کوشش کی وہ دیوی بن گئی اور کہا، کہ تجھے مارنے والا پیدا ہو چکا ہے اور وہ محفوظ ہاتھوں میں ہے۔

ایک دن راجا کنس کو کسی نے بتایا کہ بھگوان شری کرشن ان کی بہن کا بیٹا ہے تو اس نے انھیں اپنے دربار میں بلایا۔ راجا کنس نے کھیلوں کا انتظام کیا جس میں ملہ یُدھ (پہلوانی) کا کھیل بھی شامل تھا۔ راجا نے سازش کی ہوئی تھی کہ وہ بھگوان شری کرشن کو ملہ یُدھ (پہلوانی) میں دھوکے سے ختم کر دے گا۔ مگر کوئی بھی پہلوان بھگوان شری کرشن جی کو ہرا نہ سکا۔ آخر بھگوان شری کرشن نے راجا کنس سے مقابلہ کیا اور اُسے اور اس کے ظالم ساتھیوں کو ختم کر کے قید خانے سے اپنے والدین اور نانا کو بھی رہا کرا لیا۔

بھگوان شری کرشن نے فلسفہ، دانش اور جسمانی مقابلہ بازی کی تیاری میں خوب دلچسپی لی۔ انہوں نے اور بھی بہت سے علوم سیکھے۔ بھگوان شری کرشن کی وجہ شہرت اُن کے خیالات تھے۔ اُنھیں ایک عظیم ہیرو، فلاسفر، استاد، مددگار اور راہنما مانا جاتا ہے۔ بھگوان شری کرشن نے لوگوں کو روحانیت، محبت، بھائی چارے، دیانت اور انسانیت کی حتمی حقیقت کے متعلق تعلیم دی۔ بھگوان شری کرشن لوگوں کی مدد کرتے تھے۔ اُن کی زندگی لوگوں کے لیے نمونہ تھی۔ بھگوان شری کرشن نے اپنی ساری زندگی میں بہت سے کردار ادا کیے۔ مثلاً ایک بچہ، بھائی، رتھ بان، شاگرد، گرو، چرواہا، پیغام رساں، لوگوں کا محبوب وغیرہ۔ بھگوان شری کرشن کی تعلیمات بھگود گیتا میں موجود ہیں۔

بھگوان کرشن کی پوجا قدیم زمانے سے جاری ہے۔ یہ مرتبہ انھیں بہادرانہ افعال، اعلیٰ قابلیت اور معجزانہ قوت کی وجہ سے ملا ہے۔ بھگوان کرشن کے سلسلے میں ہم سب سے پہلے بھگتی کے فلسفے سے آشنا ہوتے ہیں۔ بھگتی نظریہ ہندو دھرم کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ بھگتی سے مراد اشیو کی محبت میں محو ہو جانا اور اس کے بتلائے ہوئے فرائض کو اس طرح ادا کرنا کہ جزا کا خیال تک من میں نہ آنے پائے اس کے ذریعے تمام کاموں کے انجام کو اشیو کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ اس عقیدے میں بڑی جاذبیت اور کشش ہے۔ جس سے

قدیم آریائی عقائد سراسر محروم تھے۔ کیونکہ بھگوان کرشن جی مہاراج کا بھگود گیتا میں قول ہے کہ جو کوئی جس کی بھی پوجا کرتا ہے، وہ درحقیقت میری ہی پوجا ہے۔

مہاتمابدھ

کالکی

9۔ مہاتمابدھ : مہاتمابدھ کی شکل میں اوتار لیا۔

10۔ کالکی: جب دنیا برائیوں کے آخری کنارے تک پہنچ جائے گی، تو وہ کالکی کے اوتار میں ایک گھوڑے پر سوار تلوار لیے آئیں گے اور دنیا کو برائیوں سے پاک کرکے ایک نئی دنیا آباد کریں گے۔

بھگوان وشنو کی تعلیمات:

بھگوان ویشنو کی تعلیمات میں انسان اور ایشور کے باہمی تعلقات پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ ویدوں کی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ بھگوان وشنو رحم کے دیوتا ہیں۔ بھگوان وشنو مخلوق خدا کے ساتھ رحم اور محبت سے پیش آنے کا درس دیتے ہیں۔ اِنھی کی تعلیمات کی وجہ سے ہندوؤں نے بہت سے فرقوں کے ساتھ مصالحت کرلی اور ان کے دیوتاؤں کو اپنے مذہب میں بھگوان وشنو کے نائبین یا اوتار کا درجہ دے دیا چوں کہ اس بھگوان نے ہندو اخلاق کو رحم و محبت کے جذبات کی طرف پھیر دیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ صدیوں پرانا ذات پات کا نظام دم توڑنے لگا۔

مساوات انسانی کی جتنی تحریکیں بھی ہندو دھرم میں چلائی گئیں یا اب موجود ہیں، انھیں بھگوان وشنو کی تائید اور حمایت حاصل ہے۔ بھگوان وشنو کے ماننے والوں نے ایک اور نظریہ پیش کیا کہ مذہب کی تبلیغ مقامی زبانوں میں کی جائے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ تبلیغ کے لئے صرف سنسکرت زبان ہی کا سہارا لیا جائے۔ ان نظریات سے سنسکرت زبان کے تقدّس کو ٹھیس پہنچی۔ حالانکہ ہندو سنسکرت کے علاوہ دوسری زبانوں کی مذہبی معاملات میں دخل اندازی کو حرام سمجھتے تھے۔ اب مذہب کی اشاعت ہر زبان میں ہونے لگی اور مذہب پر کسی ایک زبان کی اجارہ داری نہ رہی۔ بھگوان ویشنو کے اوتاروں نے ہندو دھرم کی مذہبی، سیاسی اور سماجی حیثیت پر اپنے بہت گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ ان کی غالباً سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ انہوں نے ذات پات کی قید بہت ڈھیلی کردی۔ آج ہندو دھرم میں ذات پات کی تمیز ختم کئے جانے کی جو تحریکیں چلائی جارہی ہیں ان کے لئے وشنوؤں نے کئی صدی پہلے ہی زمین ہموار کردی تھی۔ بھگوان وِشنو کو ناران اور ہری بھی کہتے ہیں۔

(ج) بھگوان شیو جی مہاراج (مہادیو):

ہندو دھرم کے مطابق بھگوان شیو جی یگیوں اور راگوں کے مالک، درخشان، تاباں، فیاض، انسانوں، حیوانوں، گھوڑوں اور گایوں کو تندرستی دینے والے پرورش کنندہ، مرضوں کو دور کرنے والے اور گناہوں کو معافی دینے والے ہیں۔ وجر، کمان اور تیر رکھنے والے، خوفناک اور مہلک شکل جنگلی جانور کی طرح ہیں۔ انھیں ایشان، مہشیور اور مہادیو بھی کہا جاتا ہے۔ کیوں کہ اس کی ابتدا، انتہا اور انجام نہیں ہے۔ نیل کنٹھ، تین آنکھوں والے اور سب سے اعلیٰ ہیں۔ یہی برہما جی، یہ ہی اندر، یہی وشنو جی اور غیر فانی ہیں۔ رامائین میں شیو جی کو عظیم دیوتا کہا گیا۔

حلیہ:

بھگوان شیو جی کے پانچ منہ اور شکل نہایت خوبصورت ہے۔اِن کی پیشانی پر تیسری آنکھ ہے۔جس کے گرد چاند کا حلقہ ہے۔ بالوں کا گچھا سیکھ پر کنڈل کی طرح ہے۔گنگا کا پانی جب سورگ سے گرا تو اپنی جٹاؤں (سر کے بال) میں لے لیا تا کہ اس کا زور ٹوٹ جائے۔ گلے میں منڈ مالا، ناگ کنڈل، نیل کنٹھ یعنی گلے میں ترسول یا پناک، پوشاک ہرن، شیر اور ہاتھی کے چمڑے کی۔اس لیے اس کا نام کرتی واس پڑا۔نندی (بیل) اکثر اس کے ساتھ رہتا ہے اور اجگر (ناگ)، کمان ڈور، کھٹوانگ اور پاش ہاتھ میں لیے ہوئے۔اس کے محافظ اور دربان بھوت راکش وغیرہ ہیں۔شیو جی کی تیسری آنکھ بڑی خطرناک ہے۔اس آنکھ سے شیو جی نے کام دیو کو جلا کر خاکستر کر دیا تھا۔

نام اور خصوصیات:

تمام نام اس کی خصوصیات کو ظاہر کرتے ہیں۔رودر اور مہا کال غارت اور تباہ کرنے والی طاقت۔شیو اور شنکر دوبارہ پیدا کرنے والی طاقت۔یعنی ایک دفعہ تباہ کر کے دوبارہ بحال کرنا۔اس لیے ان کا نام ایشور یعنی سب کا مالک اور مہادیو یعنی سب سے بڑا ہے۔شیو مہا یوگی اور ریاضت درود اور جپ تپ، دہیان اور مراقبہ میں انھیں کمال حاصل ہے۔یہ معجزوں اور کرامتوں کی کھدان ہیں۔یہ برہنہ زاہد اور جُٹی یعنی بالوں کا گچھ سر پر اور تمام بدل پر راکھ ملی ہوئی ہو تو اس حالت کو بھیرو یعنی خوفناک اور تباہ کرنے والے ہیں۔اس کا ایک نام بھورتیشور یعنی بھوتوں کا آقا اور بھورتیشور کی آمد اور پوجا قبرستانوں اور مسانوں میں ہوتی ہے۔گلے میں سانپ اور انسانی کھوپڑیوں کی مالا ہے۔ان کے ساتھ بھوتوں کی فوج رہتی ہے۔جن کا کام باغی راکشوں کو تباہ اور قتل کرنا ہے۔

بھگوان شیو جی کے کچھ ناموں میں ترلوچن یعنی تین آنکھ والا، نیل کنٹھ۔ نیلے گلے والا، اگھور۔بھگوت۔ دیوتا، چندر شنکھر۔ چاند کے تاج والا، گنگا دھر۔گنگا کا مالک، گریش۔ پہاڑ کا مالک، ہر۔گرفتار کرنے والا، ایشان۔حاکم، جٹا دہر۔بالوں کے گچھ والا، جل مورتی۔ پانی کی صورت والا، کال۔ وقت، کالنجر، کپال، مالن، منڈ مالا پہنے والا، مہا کال۔مہیش۔ بڑا مالک۔ پشو پتی۔مویشیوں کا آقا، شنکر، شر، سواشو، شمبو، متبرک، مظبوط، تری مبک تین آنکھوں والا، اگر، دشوناتھ وغیرہ ہیں۔

بھگوان شیو کی خصوصیات:

1۔ ان کا مسکن کیلاش پہاڑ ہے لیکن غیظ وغضب کے اظہار کے لئے کبھی کبھی وہ گرج اور چمک کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں اور اپنے مخالفین کو سزا دیتے ہیں۔

2۔ ان کی سواری سانڈ ہے۔ جسے ''نندی'' کہتے ہیں۔ چونکہ سانڈ شیو کی سواری ہے اس لئے اسے بہت ہی مقدس مانا جاتا ہے۔

3۔ بھگوان شیو کی دھرم پتنی ماتا پاروتی ہمالیہ کی بیٹی ہے۔ وہ تمام دیوی دیوتوں کی ماں ہیں۔ ماتا پاروتی کے مختلف روپ ہیں۔ جیسے اوما، ایک حسین اور رحم دل ماں، دُرگا نہایت غضب ناک شیر پر سوار اور پاپیوں کے لیے موت کا روپ ہیں۔ کالی کی حیثیت سے وہ وباؤں، زلزلوں اور سیلابوں کی دیوی ہیں۔ اس روپ میں ان کے ہاتھ میں کٹا ہوا سر اور گلے میں کھوپڑیوں کی مالا ہے۔

بھگوان شیو کی اولاد:

بھگوان شیو کے ایک بیٹے کارتیکے مہاراج ہیں جو کہ دیوتاؤں کی فوج کے کمانڈر ہیں۔ ان کی سواری مور ہے۔ جبکہ دوسرا بیٹے گنیش مہاراج ہیں جو عقل وفن کے بھگوان ہیں اور ایک بیٹی اشوک سندری ہیں۔

مکتی یا نجات

ہندو دھرم میں مکتی یا نجات کے فلسفہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جو اطاعت گزار اور ریاضت کرنے والے ہیں۔ ایشور تک پہنچنے کے لیے مختلف منازل طے کرتے ہوئے جاتے ہیں اور پھر اس عالم میں لوٹ کر نہیں آتے۔ نہ دوبارہ ان کا جنم ہوتا ہے۔ اس کا تقابل آباؤ اجداد (پتریان) کی راہ سے کیا جاتا ہے جہاں مرے ہوئے ایک عرصے تک جزا پاتے ہیں اور پھر دوبارہ جنم لیتے ہیں۔ پس ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جو اطاعت شعار ہیں اور شرادھ وغیرہ ادا کرتے ہیں ان کی منزل مقصود ان سے بالکل مختلف ہے جو عام نیک کام مثلاً بالعموم دنیاوی نوعیت کے کام انجام دیتے ہیں۔ اُصول مکتی میں یہ امتیاز اپنا کامل ارتقا حاصل کرتا ہے۔ اُپشندوں میں نجات یا مکتی کے معنی اس حالت نامتناہیت کے ہیں جو ایک انسان حاصل کرتا ہے۔

ہندو دھرم کے ماننے والے عقیدۂ تناسخ کے قائل ہیں، جس کے مطابق موت سے صرف جسم مرتا ہے اور روح جُون بدل کر بار بار کسی نئے جسم میں اس دُنیا میں جنم لیتی ہے، اگر اعمال بُرے ہوں تو حیوان کے روپ میں اور اگر اعمال اچھے ہوں، تو بہتر انسان کے روپ میں آتی ہے۔ جب تک انسانی خواہشات ختم نہیں ہو جاتیں اور تمام گناہوں کا کفارہ ادا نہیں ہو جاتا، یہ چکر چلتا رہتا ہے اور آخر کار روح عالمِ ارواح میں چلی جاتی ہے اور وہ تناسخ سے آزاد ہو جاتی ہے۔ ہندو دھرم میں آخرت کا واضح تصور موجود نہیں ہے اور نہ آخرت میں اچھے بُرے اعمال کی جزا وسزا کا نظام موجود ہے۔ ہندو دھرم کے مطابق اس دنیا میں اگلا جنم ہی اچھے یا بُرے اعمال کی جزا وسزا ہے اور اگلے پچھلے نیز موجودہ جنم میں بھی جزا وسزا کا عمل جاری رہتا ہے۔

ہندو دھرم میں نجات کے راستے:

ہندو دھرم میں حصولِ نجات کے نظریہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ہندو دھرم میں حصول نجات (مکتی) کے تین طریقے ہیں۔

1۔ کرم مارگ:

''کرم مارگ'' نجات کا وہ طریقہ یا راستہ ہے جس پر عمل کے ذریعے نجات کا حصول ہوتا ہے۔ عمل کا یہ راستہ ویدوں نے بیان کیا۔ برہمن، کلپ سوترا اور میماسا، میں اس کی تشریح ہوئی اور دھرم شاستر، مہا بھارت اور پرانوں نے اس کی عام اشاعت کی ہے۔

2۔ جناں مارگ:

پروہتوں نے راہ عمل پر بہت زور دیا ہے اور نتائج اور عمل کے نظریات پیدا ہوئے تو ہندو مفکرین نے سوچا کہ صرف راہ عمل پر چلنے

سے نجات نہیں مل سکتی اس لئے یہ امر ضروری ہے کہ یہ غور کیا جائے کہ خود عمل کیا چیز ہے۔ وہ کونسا قانون ہے جس کے مطابق زندگی گزارنے سے انسان عمل اور درعمل کے چکر سے نجات حاصل کرتا ہے۔ اس سلسلے میں راہبوں نے بہت غور وفکر کیا۔ جن کے افکار اُپنشدوں میں محفوظ ہیں۔ جب غور وفکر کا دروازہ کھلا تو بے شمار موضوعات زیرِ غور آئے مثلاً مبدا کائنات، تقدیرِ انسانی، حقیقتِ اولیٰ کی ماہیت اور اس سے انسان کا تعلق، انسان کے اعمال کی نفسیات و حائل نجات وغیرہ اس طرح کئی مکتبہ فکر وجود میں آئے۔

3۔ بھگتی مارگ:

بھگتی مارگ کا طریقہ نجات، جناں مارگ اور کرم مارگ بھگود گیتا اور مہا بھارت میں بیان ہوا ہے۔ بھگتی کا لفظی معانی ''خود کو وقف کر دینا'' کے ہیں۔ بھگتی کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے کہ: ''محبت اور عقیدت کے جذبے کے ساتھ ایک بھگوان کی پوجا کی جائے''، یعنی اپنی ہر چیز اس بھگوان کے لئے وقف کر دی جائے۔ اس سے موکش حاصل ہوتا ہے۔

بھگتی کا تعلق جذبات سے ہے۔ اور اس کی جڑیں شعورِ انسانی کے احساساتی پہلو میں موجود ہیں۔ جیسا کہ علم یا گیان کی جڑیں ذہنی حصے میں اور عمل یا کرم کی جڑیں قوت ارادی کے حصے میں ہیں۔ بھگتی کا سرچشمہ ویدہی ہیں۔ شروع میں طریقِ ریاضت پر زیادہ زور نہیں دیا گیا۔ بعد میں طریق ریاضت نے دوسرے دو طریق عمل اور علم پر نمایاں غلبہ حاصل کر لیا۔

جدید ہندو دھرم:

ہندو دھرم اب ایک عوامی مذہب ہے۔ ہندو دھرم کے عقائد و رسومات جو عوام کی مذہبی ضرورتوں کو پورا کرتے تھے۔ ہندو دھرم آج انھی عقائد رُجحانات اور رسوم پر مشتمل ہے۔ پہلے جہاں قربانی پر زور تھا، اب وہاں پوجا پر زیادہ زور ہو گیا ہے، اور افراد کا تعلق بھگوانوں سے براہِ راست جُڑ گیا ہے۔

ہندو دھرم کی معلوم تاریخ میں یہ بات بڑی اہمیت رکھتی ہے، کہ اس میں لچک اور قوتِ جاذبہ بھی ہے۔ اس میں مختلف رسوم و رواج کو اپنے اندر سمو لینے کی قوت موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو حملہ آور فاتحین برصغیر میں آئے ان کی رسم و رواج ہندو دھرم نے اپنا لیں۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ کوئی فرد یا فرقہ جس دیوتا کو اپنائے، وہ دوسرے دیوتاؤں کی مذہبی حیثیت سے انکار نہیں کرتا بلکہ ان کا بھی ادب و احترام کرتا ہے۔

جنوبی ہند میں شیو بھگوان کی پوجا زیادہ ہوتی ہے۔ شیو وہ اعلیٰ بھگوان ہیں جو کائنات کی تخلیق، حفاظت اور تبدیلی کرتے ہیں۔ وہ تباہ کُن صلاحیتوں کے مالک ہیں مگر وہ دل کے نیک ہیں۔ جب وہ اپنی تیسری آنکھ کھولتے ہیں تو دُشمنوں کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ اُن کی پسندیدہ سواری نندی نامی بیل ہے اور اس کی مورتی مندروں میں رکھی جاتی ہے۔ شیو بھگوان کی دھرم پتنی پاروتی دیوی کو ماں کا درجہ حاصل ہے۔ مختصر یہ کہ ہندو عقائد میں سری برہما جی مہاراج، سری وشنو جی مہاراج اور سری شیو جی مہاراج پرتما کے بڑے مظاہر ہیں۔

قدیم برہمنی اور ویدک دھرم میں جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ ویدک رسومات میں بھگتی کے ساتھ ساتھ یگیہ (قربانی) کو مرکزیت حاصل تھی۔ جب کہ نئے ہندو دھرم میں یگیہ کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ قدیم ویدک دھرم میں یگیہ صرف برہمنوں کے ذریعے ادا کی جا سکتا تھا اور حکمران یگیہ کے مقابلے میں کسی عبادت کو اہمیت نہیں دیتے تھے اور عوام یگیہ کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ مگر ہندو دھرم کی تنظیم نو میں یگیہ کو ختم کر کے پوجا پاٹ کو اہمیت دی گئی برہمنی مت میں جب غیر آریائی قبائل نے جگہ بنائی شروع کی تو برہمنی مت کے ساتھ ساتھ مقامی قبائل کے مذہبی عقائد و رسومات بھی جگہ پانے لگے۔

ہندو دھرم کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اپنے اندر تمام رسومات و روایات کو سمو لینے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتا ہے اور یہی اس کی مقبولیت کی ضامن بنی۔ ہندو دھرم میں شمولیت کے لیے کسی طرح کی کوئی شرط نہیں ہے۔ کوئی بھی شخص خواہ وہ کسی قبیلے، کسی ذات، کسی مذہب و نسل سے تعلق رکھتا ہو اپنے مذہبی عقائد و رسومات کے ساتھ اس نئے مذہب میں شامل ہو سکتا تھا۔ اس طرح ہندو دھرم میں تمام طبقات کے لوگ شامل ہونے لگے تھے۔ یہ وہی لوگ تھے جو پہلے اس مذہب سے مستفید ہو نہیں سکتے تھے اور نہ ہی اعلیٰ ذات برہمنوں کو ان سے دلچسپی تھی۔ سماج کی وہ ذاتیں جو پہلے حقیر سمجھی جاتی تھیں اور وہ ہمشہ مذہبی معاملات سے دور رکھی جاتی تھیں۔ اس نئے ہندو دھرم کا خوش اسلوبی سے حصہ بن گئیں اور بلا آخر نئے ہندو دھرم کی وجہ سے برہمنی مت کو عوامی رنگ اختیار کرنا پڑا۔ ہندو دھرم نے تمام نسلی، قبائلی و مقامی عقائد کو جگہ دے کر اپنے دائرے کو پھیلایا۔ ہندو دھرم میں متضاد خیالات و افکار رکھنے والے سبھی اپنے دیوتاؤں سے عقیدت رکھنے کے ساتھ ساتھ دوسرے دیوتاؤں کا بھی احترام کرنے لگے۔

ہندو دھرم کے چند مشہور تہوار

(i) دیوالی/ دیپاولی:

دیوالی

بھگوان رام چندر جی کی بیوی سیتا دیوی کو لنکا کا راون لے گیا، تو رام چندر جی مہاراج اسے شکست دے کر اپنی بیوی سیتا دیوی کو چھڑا لائے۔ اس فتح کی یاد میں دسہرہ کا تہوار منایا جاتا ہے۔ بیس دن کے بعد بھگوان رام اور ماتا سیتا کے بن باس سے لوٹنے اور ایودھیا واپس آنے کی خوشی میں رات کو تمام ملک میں چراغاں کیا گیا تھا۔ اس رات دیوالی کا تہوار منایا جاتا ہے۔ یہ تہوار روحانی اعتبار سے اندھیرے پر روشنی، جہالت پر علم، بُرائی پر اچھائی اور مایوسی پر اُمید کی فتح و کامیابی کی علامت مانا جاتا ہے۔ اس تہوار کی تیاریاں نو دن پہلے سے شروع ہو جاتی ہیں۔ اصل تہوار شمسی قمری ہندو تقویم کے مہینہ کتک میں اماوس کی رات یا نئے چاند کی رات کو منایا جاتا ہے۔ گریگورین تقویم کے مطابق یہ تہوار وسط اکتوبر اور وسط نومبر میں آتا ہے۔

بھائی دوج کا تہوار جسے ہندو دھرم اپنی تقویم کے مطابق ''کتک'' مہینے میں مناتے ہیں، یہ تہوار دیوالی کے نو دنوں کے دوران آتا ہے۔ اس دن کو بھی رکشا بندھن کی طرح منایا جاتا ہے۔ بہنیں اپنے بھائیوں کی آرتی کرتی ہیں اور بھائی انھیں تحفہ دیتے ہیں۔

(ii) ہولی (رنگوں کا تہوار):

ہولی موسم بہار کا ایک تہوار ہے۔ اسے رنگوں کا یا محبت کا تہوار بھی کہا جاتا ہے۔ یہ تہوار برائی پر اچھائی کی فتح، سرما کا اختتام، بہار کی آمد، دوسروں سے ملنے، کھیلنے، ہنسنے، معاف کرنے، معافی مانگنے اور ٹوٹے رشتوں کو دوبارہ بحال کرنے کی علامت ہے۔ یہ اچھی فصل کے لیے شکر گزاری کے طور پر بھی منایا جاتا ہے۔

ہولی بڑے تہواروں میں سے ایک ہے۔ ہیرانیا نکساپ راجا اپنے بیٹے پرلاد کو مارنا چاہتا تھا کیونکہ پرلاد اُس کی برتری نہیں مانتا

تھا اور بھگوان وِشنو کا بھگت تھا۔ اس لیے اس نے اپنی بہن ہولیکا کو بلایا۔ اِس کی بہن کو وردان تھا کہ آگ اُسے جلا نہیں سکتی۔ ہیرانیا کشیپ نے اپنی بہن کو پرلاد کے ساتھ جلتی ہوئی آگ پر بیٹھنے کا حکم دیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی بہن کو آگ سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور پر ہلاد جل کر ہلاک ہو جائے گا۔ لیکن نتیجہ اس کے برعکس نکلا۔ پرلاد جلتی ہوئی آگ سے بحفاظت باہر نکل آیا اور ہولیکا جل کر ہلاک ہوگئی۔ ہولی سے ایک دِن پہلے رات کو ہولیکا دھان جلایا تا ہے۔ یہ تہوار دو دن تک منایا جاتا ہے۔ دوسرا دن، رنگ پنچی ہولی کے تہوار کے اختتامی دن کو نشان زد کرتا ہے۔ ہولی پر لوگ مختلف رنگوں کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے پر رنگ ڈالتے ہیں، گاتے، ناچتے ہیں۔

(iii) مہاشیوراتری:

ہندو دھرم کے مطابق یہ تہوار بھگوان شیو اور دیوی پاروتی کی شادی کی خوشی میں منایا جاتا ہے۔ مندروں میں پُر وقار تقریبات کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں پنڈت حضرات پوجا پاٹ کا اہتمام کرتے ہیں۔

(iv) جنم اشٹمی (بھگوان کرشنا کا جنم دن):

دنیا میں جہاں جہاں ہندو رہتے ہیں وہاں بھگوان شری کرشن کی جنم اشٹمی بڑی دھوم دھام اور عقیدت سے منائی جاتی ہے۔ گھروں اور مندروں میں چراغاں کیا جاتا ہے۔ خاص پرشاد نہایت عقیدت اور محبت سے تیار کیا جاتا ہے۔ پرشاد بنانے میں پاکیزگی کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا ہے۔ زیادہ تر پرشاد میں مال پورہ، کھیر، دودھ، دہی، مکھن، شہد اور ایک خاص طرح کی پنجیری جو دیسی گھی اور خشک میوہ جات سے تیار کی جاتی ہے بھگوان کے سامنے نہایت عزت و احترام سے پیش جاتی ہے۔ تمام رات ایک دیا جلایا جاتا ہے۔ آدھی رات کے وقت جب بھگوان کے جنم کا وقت ہوتا ہے تو ایک گھنٹی بجائی جاتی ہے اور بھجن کیا جاتا ہے۔ بھگوان شری کرشن کی مورتی پر پانی اور چاول کا چھڑکاؤ کیا جاتا ہے۔ بھگوان شری کرشن کی شان میں بھجن اور گیت گائے جاتے ہیں۔ حاضرین میں پرشاد تقسیم کیا جاتا ہے۔

(v) دسہرہ/وجیادشمی:

دسہرہ، ''وجیادشمی'' کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ یہ اشون (کوار/جیٹھ) مہینے کے شکلا پکش کی دسویں تاریخ کو (جو گنگا کے پیدا ہونے کا دن ہے) اس کا انعقاد ہوتا ہے۔ اِس دِن گنگا میں نہانے (اشنان) کا بہت ثواب ہے۔

دسہرہ یا دشہرہ سنسکرت لفظ دش ہرہ سے نکلا۔ دش کے معانی ہیں دشن (دس سروالا) جو راون کا لقب ہے اور ہرہ کے معانی ہار کے ہیں۔

دسہرہ

لغوی اعتبار سے راون کی ہار کا دن۔ رامائن کے مطابق شری رام چندر جی نے اسی دن راون کو ختم کیا تھا۔ اسے باطل پر حق کی فتح کے جشن کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اس دن جگہ جگہ میلے لگتے ہیں۔ رام لیلا منعقد ہوتی ہے، راون کا بھاری پتلا بنا کر اسے جلایا جاتا ہے۔ دسہرہ یا وجے دشمی چاہے بھگوان رام کی فتح کے دن کے طور پر منایا جائے یا درگا پوجا کے طور پر، دونوں ہی طرح اس میں شکتی (طاقت) پوجا اور شستر (ہتھیار) پوجا کی جاتی ہے۔ یہ خوشی اور فتح کی عید ہے۔ دسہرہ کے ایک معنٰی دس گناہوں کو لے جانے والا کے بھی ہے۔ دسہرہ کے تہوار کا مقصد دس قسم کے گناہ یعنی کام (شہوت)، کرودھ (غصہ)، لوبھ (لالچ)، مد (تکبر)، موہ (کشش/لت)، متسر (حسد)، سوارتھ (خودغرضی)، انیائے (بے انصافی) امنوات (سفاکی) اور اہنکار (انا) کو ترک کرنا بھی ہیں۔

(vi) نوراتری (نو دِن کا تہوار):

نوراتری

ہر سال ہندو کلینڈر کے ساتویں مہینے ''اشون'' کا چاند نظر آتے ہی نوراتری/نوا راترے کا تہوار شروع ہو جاتا ہے۔ نو دن جاری رہنے والے اس تہوار کو نوارتری اور درگاہ پوجا کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ جو دنیا بھر میں موجود ہندو برادری روایتی جوش وخروش سے مناتی ہے۔ اس تہوار پر ہندو نو دن روزے رکھتے ہیں اور دُرگاہ ماتا کی مورتی پر پھل اور پھول چڑھاتے ہیں۔ اس دن کو ہندو برائی پر اچھائی کی جیت کے طور پر مناتے ہیں۔ اس دوران ہی راون کے دس سر والے پتلے کو جلایا جاتا ہے۔ کم وبیش پورے ہندوستان اور ہندو اقلیت ممالک میں مندروں کو قمقموں اور پھولوں سے زبردست طریقے سے سجایا جاتا ہے، پاکستان میں موجود ہندو برادری یہ تہوار روایتی جوش و خروش سے مناتی ہے۔

(vii) رکھشا بندھن:

رکھشا بندھن:

رکھشا بندھن یا راکھی کا تہوار بہن بھائیوں کے پیار اور ان کے خوبصورت اٹوٹ رشتے کا تہوار ہے جو دنیا بھر میں موجود ہندو برادری روایتی جوش وخروش سے مناتی ہے۔ بہنیں فروٹ، مٹھائی اور کھانے کی اشیا سے بھری اور راکھیوں سے سجی پوجا کی تھالی تیار کرتی ہیں اور اپنے بھائیوں

کی کلائی پر پیار سے راکھی باندھ کر ان کی صحت مندی، عمر درازی اور کامیابیوں کے لیے دعا کرتی ہیں۔ محبت کے اس اظہار کے جواب میں بھائی اپنی بہن سے دکھ سکھ میں ساتھ رہنے اور اس کی حفاظت کرنے کا وعدہ کرتے ہیں اور انھیں تحفے دیتے ہیں۔

(viii) رام نومی:

رام نومی کا تہوار بھگوان شری رام کے یوم پیدائش کے موقع پر منایا جاتا ہے۔ بھگوان وشنو کے بھگوان رام کی شکل میں اوتار لینے کی خوشی میں یہ تہوار منایا جاتا ہے۔ بھگوان رام کی پیدائش ایودھیا کے راجا دشرتھ اور رانی کوشلیا کے یہاں ہوئی تھی۔ یہ ہندو تقویم کے مطابق ماہ چیت میں آتا ہے اور انگریزی تقویم میں ہر سال مارچ یا اپریل کے مہینہ میں آتا ہے۔

(ix) بسنت پنچمی:

بسنت کا سنسکرت میں لفظی مطلب بہار کا ہے۔ اسے بسنت پنچمی اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ماگھ کی پانچ تاریخ کو منایا جاتا ہے جو عموماً فروری کے مہینے میں آتا ہے۔ ویدوں میں لکھا ہے کہ یہ سرسوتی دیوی کا دن ہے۔ اس دن خوشی منائی جاتی ہے اور سرسوتی دیوی کی پوجا کی جاتی ہے۔ خوشی کے اظہار کے لیے نئے کپڑے پہنے جاتے ہیں اور پتنگیں اڑائی جاتی ہیں اور موسیقی سے لطف اندوز ہوا جاتا ہے۔

(x) کرواچوتھ:

کرواچوتھ

ہندو دھرم کے مطابق ''کتک'' کے مہینے میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ خواتین دلہن کی طرح سج دھج کر پورے چاند کی چوتھی رات میں اپنے شوہر یا منگیتر کی صحت، تندرستی اور طویل عمر کے لیے کرواچوتھ کی رسم ادا کرتی ہیں۔ اس رسم کے دن خواتین برت (روزہ) رکھتی ہیں اور سارا دن کچھ نہیں کھاتیں۔ دن مکمل ہونے پر چاند کو چھلنی کے ذریعے دیکھ کر اپنے مطلوبہ شخص کی شکل دیکھنے کے بعد برت (روزہ) کھولا جاتا ہے۔

ہندو دھرم اور پوجا پاٹ:

مندروں کے علاوہ گھروں میں بھی لوگ عبادت کرتے ہیں۔ بڑے گھروں میں الگ سے عبادت کا کمرہ ہوتا ہے، جب کہ چھوٹے گھروں میں کسی کمرے کا کچھ حصہ عبادت کے لیے مخصوص کرلیا جاتا ہے۔ ہندو دھرم میں صبح سویرے اُٹھ کر اشنان کرنا عبادت کا حصہ ہے پھر مندر یا گھر میں بیٹھ کر پوجا پاٹ کی جاتی ہے۔ بھگوان کی سیوا کرنا، چراغ جلانا، مورتیوں کو غسل دینا، سندور لگانا، گھنٹیاں بجانا، کافور جلانا، بھگوان کو پھولوں اور زیورات سے آراستہ کرنا پوجا کے عمل میں شامل ہوتا ہے۔ بھجن کیرتن کرنا، آرتی کرنا، بھگوان کو بھوگ لگانا یہ تمام عمل بھی عبادت کا حصہ ہیں۔ کچھ رسومات صرف مذہبی راہنما یعنی برہمن پنڈت ادا کرتے ہیں۔ ہندو دھرم میں بچے کی پیدائش پر کئی قسم کی رسومات ادا کی جاتی ہیں۔ چھٹے دن نام رکھا جاتا ہے اور دان دھرم (خیرات) کیا جاتا ہے۔

ہندو دھرم میں موت کی رسومات میں جزئیات کا بڑا خیال رکھا جاتا ہے۔ پوتر اگنی کے گرد بائیں سے دائیں چکر لگایا جاتا ہے۔ چکر

شروع کرنے سے پہلے دایاں گھٹنا جھکا یا جاتا ہے۔ یہ رسومات بھگوان کو خوش کرنے کے لیے ادا کی جاتی ہیں۔ زندہ لواحقین کے لیے ضروری ہے، کہ وہ مُردے کے سفرِ آخرت کا انتظام کریں۔ مرنے کے بعد مُردے کے بال اور ناخن کاٹ کر زمین میں دفن کر دیے جاتے ہیں۔ برہمن سوتلی سے ارتھی تیار کرتا ہے اور اسے کپڑے سے ڈھانپ دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد مرنے والے کا بیٹا یا قریبی عزیز اپنے سر کے بال صاف کرا کر مٹی کے کورے برتن میں پانی لے کر اشنان کرتا ہے اور کورے برتن کی ایک گڑوی سے مُردے کو غسل دیا جاتا ہے۔ مُردے کے کپڑے گھر والوں کو یا بیٹوں میں بانٹ دیے جاتے ہیں۔ اب مُردے کو ایک کفن نما پیراہن پہنایا جاتا ہے۔ اس کے بعد مُردے کے ہاتھ پاؤں کے انگوٹھے باندھ دیے جاتے ہیں۔ ارتھی اٹھائی جاتی ہے، تو ایک آدمی آگے آگے دیسی گھی سے جلائی ہوئی پوتر اگنی کی گڑوی لے کر چلتا ہے۔ اس کے پیچھے مُردے کو جلانے کا سامان اور اس کے پیچھے ارتھی ہوتی ہے۔ ارتھی کے مرگھٹ (چِتا جلانے کی جگہ) تک پہنچنے تک کئی اور رسوم بھی ادا کی جاتی ہیں۔ مرگھٹ میں چِتا جلائی جاتی ہے اور مُردے کی لاش کو جلانے سے پہلے اس کے منہ میں گنگا جل ڈالا جاتا ہے۔ چِتا کے چاروں طرف چکر لگا کر گھڑے سے پانی کا چھڑکاؤ کیا جاتا ہے۔ تیسرے چکر کے بعد گھڑا پھینک دیا جاتا ہے، اور مرنے والے کا بیٹا یا قریبی عزیز چِتا کو آگ دکھاتے ہیں۔ مرنے والے کا چالیس (40) دن تک سوگ منایا جاتا ہے۔ بارہ گھڑے پانی سے بھر کر ان پر سفید کپڑے اور مٹھائی رکھ کر برہمن کے گھر پہنچاتے ہیں اور کچھ رقم بھی برہمن کو دیتے ہیں۔ یہ مُردے کے لیے ایک سال کا سفری سامان تصور کیا جاتا ہے۔ ستارویں روز رشتے دار اور برہمن آخری بار مرنے والے کے گھر آتے ہیں۔ اس طرح موت کے بعد کی رسومات ختم ہو جاتی ہیں۔

☆☆☆☆

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ ہندو دھرم کا تاریخی پسِ منظر بیان کریں۔

2۔ ہندو دھرم کی مشہور کتب کے بارے میں تفصیل سے بیان کریں۔

3۔ مندرجہ ذیل پر مختصر نوٹ لکھیں:

(i) مکتی یا نجات　　(ii) بھگوان شیو　　(iii) ہندو دھرم کے چند مشہور تہوار

(ب) مختصراً جوابات لکھیں۔

1۔ ہندو دھرم کے وید کے دور میں کس کی اجارہ داری تھی؟

2۔ سری مہا بھارت اور سری رامائن میں ہندو دھرم کے بارے کیا بتایا گیا ہے؟

3۔ ہندو دھرم میں تری مورتی سے کیا مراد ہے؟

4۔ بھگوان وِشنو کے دس اوتار کون کون سے ہیں؟

5۔ ہندو دھرم میں موت کی رسوم کس طرح ادا کی جاتی ہے؟

6۔ ہندو دھرم میں پوجا پاٹ کیسے کی جاتی ہے؟

7۔ بھگوان کرشن کے بارے میں مختصر بیان کریں۔

(ج) دُرست جواب کی نشان دہی کیجئے۔

1۔ ویدک دور میں لوگوں کا رُجحان بدھ مت کی طرف ہوا تو آریاؤں نے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(ا) تبلیغ کا سلسلہ تیز کر دیا　　(ب) بدھ مت کے خلاف مہم شروع کی

(ج) اپنے اصولوں پر سمجھوتا نہ کیا　　(د) تنظیم نو ضروری سمجھا

2۔ ہندو دھرم کی کامیابی کی بڑی وجہ اس ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔

(ا) قوتِ جاذبہ　　(ب) لچک

(ج) سماجی روایات کی قبولیت　　(د) ا، ب، ج

3۔ سری رامائن میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

(ا) بھگوان برہما اور دیوی سروتی　　(ب) بھگوان رام چندر اور دیوی سیتا

(ج) بھگوان شیو اور دیوی پاروتی　　(د) ا، ب، ج

4۔ ہندو دھرم میں ویدوں کی تعداد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

(ا) چار (ب) چھ (ج) سات (د) ا،ب،ج

5۔ بھگود گیتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کی وانی ہے۔

(ا) بھگوان وشنو (ب) بھگوان رام چندر

(ج) بھگوان کرشن (د) ا،ب،ج

6۔ نوراتری کا تہوار۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔دِن کا ہوتا ہے۔

(ا) دس (ب) نو (ج) گیارہ (د) ا،ب،ج

(د) خالی جگہ پُر کریں۔

1۔ ویدک دور میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کی اجارہ داری قائم تھی۔

2۔ ہندو دھرم میں بڑی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور قوتِ جاذبہ ہے۔

3۔ ہندو دھرم میں دنیا کو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تصور کیا جاتا ہے۔

4۔ رکشا بندھن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کا تہوار ہے۔

5۔ جنم اشٹمی بھگوان۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کا یومِ ولادت ہے۔

6۔ کرواچوتھ میں پتنی اپنے پتی کے لیے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔رکھتی ہے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1۔ لائبریری میں جا کر ہندو دھرم کی تاریخ کے متعلق کتابیں پڑھیں اور کم از کم پانچ طلبہ مطالعے کے بعد جماعت کے دیگر طلبہ کو حاصلِ مطالعہ بتائیں۔

2۔ ایشیا کے نقشے میں ان ملکوں کی نشان دہی کریں جہاں ہندو اکثریت میں ہیں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ طلبہ کو بتائیں کہ آریاؤں کے بعد ہند میں مذہبی طور پر کیا تبدیلیاں آئیں؟

2۔ بھارت میں دیگر مذاہب (بدھ مت، جین مت وغیرہ) کے عروج اور پھر ہندو دھرم میں جذب ہونے کے بارے میں طلبہ کو معلومات دیں۔

☆☆☆☆

زرتشت مذہب

زرتشت کی بعثت سے قبل:

زرتشت کی بعثت سے قبل فارس (موجودہ ایران) میں مظاہر پرستی اور اصنام پرستی زوروں پر تھی۔ ایران کا ذریعہ معاش زراعت تھا۔ اس وجہ سے ایرانیوں نے ہر اس مظہرِ قدرت کی پوجا کی جو ان کی زراعت کے لیے مفید تھے۔ سورج کی اس وجہ سے پرستش کی کیونکہ سورج کی گرمی اناج کے پکنے کے لیے ضروری ہے، زمین کو اس لیے سجدہ کیا کہ اس میں فصلیں ہوتی تھیں۔ اس طرح چاند، ستارے، ہوا، پانی اور درختوں کی پوجا بھی کی جاتی تھی۔

ایران میں خاندانوں اور قبائل کے بزرگوں کی پرستش کا رواج بھی تھا۔ ان کی مورتیاں تیار کی جاتی تھیں، پھر ان کے سامنے بھجن گائے جاتے تھے۔ اس آبا پرستی کے نتیجہ میں پروہتی نظام شروع ہوا۔ پروہتوں کو ''مُغ'' کہا جاتا تھا۔ انھوں نے رسوم، قربانیوں اور سحر و فسوں کو رواج دیا۔ اس طبقہ کا اثر عوام پر بہت زیادہ تھا۔ عوام میں ان کے متعلق یہ خیال پایا جاتا تھا کہ وہ دیوتاؤں کے مقرب ہوتے ہیں، اپنے منتروں کے ذریعے سے حسبِ خواہش کام نکال سکتے ہیں اور زمین کی پیداوار اور جانوروں کا دودھ بڑھانے کی قدرت رکھتے ہیں۔

زرتشت مذہب کے پیروکار اب ایران میں بہت ہی کم رہ گئے ہیں، لیکن ان کی کچھ تعداد ہندوستان، عراقی کردستان، ازبکستان، آذربائیجان، افغانستان، امریکا، کینیڈا، برطانیہ، نیوزی لینڈ، سنگاپور، ہانگ کانگ اور پاکستان میں موجود ہے، جو اب پارسی کہلاتے ہیں۔ زرتشت کی تعلیم نے بابل اور یونان کے لوگوں کو کافی متاثر کیا تھا اور بعد میں یہودیت اور خود مسیحیت پر اس کے اثرات پڑے تھے۔ اس مذہب میں یہودیت یا اسلام کی طرح صاف اور واضح طور پر وحدانیت کا تصور تو نہیں ہے۔

زرتشت مذہب سے پہلے فارس (ایران) میں جو مذاہب تھے ان کے بارے میں تفصیلات بہت کم ملتی ہیں لیکن اُس زمانہ کے مذاہب اور برصغیر کے مذاہب میں بڑی قربت نظر آتی ہے۔ اوستا اور وید میں بہت ساری چیزیں مشترک ہیں۔ دونوں میں ایک ہی قسم کی کثرت پرستی پائی جاتی ہے۔ دونوں جگہ آگ کی پرستش ہے اور قربانی کے وقت برصغیر میں سوما (ایک قسم کی شراب) اور ایران میں ہاوما استعمال ہوتی تھی۔ اوستا اور وید میں بیان کیے ہوئے دیوتا تقریباً مشترک تھے۔

زرتشت کی پیدائش اور حالاتِ زندگی:

زرتشت کے زمانہ میں محققین کا شدید اختلاف ہے۔
زمانۂ حال کے محققین کی رائے کے مطابق وہ 660 قبل مسیح (BCE) میں پیدا ہوئے اور 583 قبل مسیح (BCE) میں اِنتقال ہوا۔ مغربی ایران کے رہنے والے تھے۔ ان کا جائے پیدائش شہر ''رے'' تھا۔ ان کے والد کا نام پورا شاسپ تھا اور والدہ کا نام وگدواور اسال بتایا جاتا ہے اور خاندان سپتما میں سے تھے۔ قوم کے مجوسی تھے۔ فارسی میں اس کو مُغ کہتے ہیں اور انگریزی میں (Magus) کہا جاتا ہے۔ اس کو (Magian) کہتے ہیں، جس کے معنی جادوگر کے ہیں۔ قدیم ایران میں ان پروہتوں اور پجاریوں کی ایک جماعت تھی جن کا تسلّط عوام پر تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ زرتشت کا خاندانی تعلق جادوگروں اور پروہتوں کی جماعت سے تھا۔

جوانی گوشہ نشینی، غور وفکر اور مطالعے میں گزاری۔ سات بار بشارت ہوئی۔ تیس برس کی عمر میں اہورامزدا (Ahuramazda) یعنی خدائے واحد کے وجود کا اعلان کیا لیکن وطن میں کسی نے اُن کی بات نہ سنی۔ تب اُنھوں نے مشرقی ایران کا رخ کیا اور خراسان میں کشمار کے مقام پر شاہ گستاسپ کے دربار میں حاضر ہوا۔ ملکہ اور وزیر کے دونوں بیٹے اس کے پیروکار بن گئے۔ بعد ازاں شہنشاہ نے بھی اس کا مذہب قبول کرلیا۔ جب زرتشت پیدا ہوئے تو انھوں نے اپنی قوم کو جانوروں، متوفی آباواجداد، زمین و آسمان اور سورج و چاند کی پرستش کرتے ہوئے پایا اور دیکھا کہ یہ لوگ اُن چیزوں کی پوجا کرتے ہیں جو وید کے زمانے کے ہندوؤں میں پائے جاتے تھے۔ زرتشت سے پہلے ان لوگوں کے خدا یہ تھے۔ متھرا، آفتاب خدا، عیتا پیدائش اور افزائش کا خدا، زمین، ہوا، سانڈ کے نمونہ کا خدا جو مرگیا اور پھر زندہ ہوا اور بنی نوع اِنسان کو زندگی دوبارہ عطا کرنے کی غرض سے اپنا خون پینے کو دیتا تھا۔

زمانہ قدیم کے ایرانی اس کی پرستش اس طرح سے کرتے تھے کہ ہوما گھاس کا نشہ آور عرق پیتے تھے۔ ان خداؤں کی پرستش اور کافرانہ رسوم کو دیکھ کر زرتشت کو بہت غم اور تعجب ہوا۔ اس نے ان مجوسی پجاریوں کے خلاف بغاوت کی جوان خداؤں کی پرستش کرتے تھے اوران پر قربانیاں چڑھاتے تھے اور اپنے ہمعصر انبیا عاموس اور یسعیاہ کی سی جرأت کے ساتھ دنیا میں خدائے واحد کا اعلان کیا۔ یہاں اس خدائے واحد کا نام اہوارامزدا تھا جو نور والسمٰوٰت کا خدا تھا اور باقی مفروضہ خدا کچھ نہیں تھے، صرف اس کی صفات کے دوسرے نام تھے۔
کوروش اعظم اور دارا اعظم نے زرتشتی مذہب کو تمام ملک میں حکماً رائج کیا۔ ایران پر مسلمانوں کے قبضے کے بعد یہ مذہب اپنی جنم بھومی سے بالکل ختم ہوگیا۔

زرتشت نے اپنے زمانہ کے مشہور استاد حکیم بزاکرزا سے تعلیم حاصل کی۔دس سال کے قلیل عرصہ میں متعدد علوم مذہب، زراعت، گلہ بانی اور جراحی کے ماہر ہوگئے۔ زرتشت نے جوانی کی عمر میں قدم رکھتے ہی اپنے آپ کو خدمتِ خلق کے لیے وقف کردیا۔مصیبت زدہ اور مفلوک الحال لوگوں کی خدمت ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ان کے والدین کی یہ خواہش تھی کہ ان کا بیٹا آبائی پیشہ اختیار کرلے،لیکن زرتشت کا دل اس طرف مائل ہی نہیں ہوتا تھا۔ان کے سامنے ایک بلند نصب العین تھا۔اس جوانی کے زمانہ میں ہی اپنے مذہب سے غیر مطمئن تھے۔وہ جان و دل سے حقیقت کی طرف راغب ہوئے۔بیس سال کی عمر میں گھر بار کو خیر باد کہہ کر سیالان پہاڑ میں گوشہ نشینی اختیار کرلی۔انھیں تیس سال کی عمر میں معراجِ آسمانی نصیب ہوا اور اس نے براہِ راست اہورامزدا (Ahuramazda) سے وہ الفاظ حاصل کیے جو اس کی تعلیمات اور گاتھا کی بنیاد ہیں۔گاتھا وہ مقدس منظومات ہیں جو زرتشت نے لکھی تھیں۔

حسب نسب:

ان کا سلسلۂ نسب پہلوی مصنفین نے یوں بیان کیا ہے، زرتشت بن پوروشسپ بن پیتیرسپ بن ہردرشن بن ہردار بن اسپنتمان بن ویداشت بن نایزم (یا ہایزم) بن راجشن (یا ایرج) بن دورانسرو (یا دورشیریں) بن منوچہر بن ایرج بن فریدوں۔مسعودی نے اس کو (غالباً معرب کرکے) یوں لکھا ہے، زرتشت بن بورشسف بن فذرسف بن اریکدسف بن ہجدسف بن تجیش بن باتیر بن ارحدس بن ہردار بن اسفنتمان بن واندست بن ہایزم بن ایرج بن دورشیریں بن منوچہر بن ایرج بن فریدوں تھا۔

زرتشت یا مزدیسنا ایک قدیم آریائی مذہب ہے، جس کی پیدائش تین ہزار پانچ سو (3500) سال قبل مسیح فارس میں ہوئی تھی۔ اس کو عام طور پر زرتشت کہا جاتا ہے۔ اس مذہب کے ماننے والوں کی تعداد بہت ہی کم رہ گئی ہے پوری دنیا میں تقریباً ایک لاکھ تیس ہزار (130,000) سے بھی کم زرتشتی ہیں مگر یہ دنیا کے قدیم مذاہب میں سے ایک ہے۔ جسے پارسی مذہب بھی کہتے ہیں۔اس کے علاوہ اسے آتش پرستوں کا مذہب اور مجوسیّت بھی کہا جاتا ہے۔

زرتشت کی تبلیغ اور تعلیمات:

زرتشت کا دعویٰ تھا کہ کائنات میں دو طاقتیں (یا دو خدا) کارفرما ہیں۔ ایک اہورا مزدا (یزداں) جو خالق اعلیٰ اور روحِ حق و صداقت ہے اور جسے نیک روحوں کی امداد و اعانت حاصل ہے اور دوسری اہرمن جو بدی، جھوٹ اور تباہی کی طاقت ہے۔اس کی مدد بدروحیں کرتی ہیں۔ان دونوں طاقتوں یا خداؤں کی ازل سے کشمکش چلی آرہی ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔خدا اہورامزدا کا پلہ بھاری ہوتا ہے تو دنیا امن و سکون اور خوشحالی کا گہوارہ بن جاتی ہے اور جب اہرمن غالب آجاتا ہے تو دنیا فسق و فجور، گناہ و عصیاں اور اس کے نتیجے میں دُنیا آفاتِ ارضی و سماوی کا شکار ہوجاتی ہے۔ پارسیوں کے اعتقاد کے مطابق بالآخر نیکی کے خدا یزداں کی فتح ہوگی اور دنیا سے برائیوں اور مصیبتوں کا خاتمہ ہوجائے گا۔

زرتشتی مذہب کے تین بنیادی اصول ہیں:

گفتارِ نیک، پندارِ نیک، کردارِ نیک۔خدا اہورامزدا کے لیے آگ کو بطور علامت استعمال کیا جاتا ہے کیوں کہ یہ ایک پاک و طاہر

شے ہے اور دوسری چیزوں کو بھی پاک و طاہر کرتی ہے۔ پارسیوں کے معبدوں اور مکانوں میں ہر وقت آگ روشن رہتی ہے غالباً اسی لیے انھیں آتش پرست سمجھ لیا گیا۔عرب انھیں مجوسی کہتے تھے۔

افکار کی پاکیزگی:

زرتشت نے افکار اور خیالات کی پاکیزگی پر بہت زور دیا ہے، کیونکہ انسانی اعمال افکار کے ہی تابع ہوتے ہیں۔ اگر انسان کے افکار میں پاکیزگی اور صفائی آجائے تو اعمال میں درستی خود بخود آجاتی ہے۔

راست بازی:

زرتشت کی اخلاقی تعلیمات میں راست بازی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ بچوں کو نہایت کم سنی میں دو چیزیں سکھلائی جائیں۔اوّل سچ بولنا، دوم تیراندازی، جھوٹ بولنا بدترین گناہ ہے، جو مقروض ہونے سے بھی زیادہ بُرا ہے۔

صفائی:

زرتشت نے صفائی اور پاکیزگی کو بہت اہمیت دی ہے۔اوستا میں صفائی وسیع معنوں میں مستعمل ہے جو جسمانی صفائی کے علاوہ اقوال اور اعمال کی پاکیزگی کو لازمی قرار دیتے ہیں۔

دوسروں کی مدد:

زرتشت نے مالی امداد پر بہت زور دیا ہے۔ ان کا قول ہے، جو شخص مالدار ہو، اس کو چاہیے کہ وہ اپنے فاضل مال کے ذریعے سے دوسروں کی مدد کرے اور اعلیٰ تعلقات کے قیام کے لیے عمدہ کام انجام دے۔ اے زرتشت ایسے شخص پر حیف ہے جو شخص خیرات دے لیکن خیرات دیتے وقت اس کا دل خوش نہ ہو۔ ان کا کہنا ہے کہ مالی امداد صرف مستحقین کو دینی چاہیے جو رقم غیر مستحقین کو دی جاتی ہے وہ رائیگاں جاتی ہے۔غیر مذاہب کے مستحق اور نادار افراد کو خیرات دینا ضروری بتایا گیا ہے۔

رہبانیت: (ترکِ دُنیا)

زرتشت رہبانیت کا شدید مخالف ہے اور شادی کو ضروری قرار دیتا ہے۔ یشت میں ہے: اے اسپیتما زرتشت وہ شخص جس کی بیوی ہو اس شخص سے بدرجہا بہتر ہے جس کی بیوی نہ ہو، اور ایسا شخص جو خاندان رکھتا ہو اس سے بہتر ہے جس کا کوئی خاندان نہ ہو۔

کوشش کرنا:

زرتشت محنت اور کوشش کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ خود آخری عمر تک زراعت کے کام سرانجام دیتے رہے۔ اس کا مذہب حقیقت اور عمل کا مذہب تھا۔ یونانی مذہب کی طرح رسموں اور روایتوں کا مذہب نہ تھا اس نے مذہب کو ایرانیوں کی روزمرہ زندگی کی ایک حقیقت بنا دیا۔ اخلاق اس مذہب کا مرکزی عنصر تھا۔

توحید کے متعلق عقیدہ:

زرتشت پکا موحد تھا۔ ان کے خدا کا نام اہورا مزدا تھا۔ اہور کے معنی ’’مالک‘‘ اور مزد کے معنی ’’دانا‘‘ کے ہیں، یعنی دانا مالک۔

زرتشت توحید کے متعلق فرماتے ہیں، تو ہی خدا ہے، یہ میں جانتا ہوں۔ اے قادرِ مطلق تو ہی اوّل تھا، جب زندگی نے جنم لیا۔ انسان کے ہر خیال، قول، فعل کا پھل ہے۔ جس طرح تیرے ابدی قانون میں مرقوم ہے کہ برائی کا انجام برا ہے اور اچھائی کا انجام اچھا ہے، قیامت تک تیری مصلحت کے تحت یہ بات مقرر ہو چکی ہے۔ زرتشت نے توحید کی اشاعت اور شرک کی مخالفت میں انتھک کوشش کی۔ دس سال کی لگاتار کوشش کے بعد صرف اس کا چچا زاد بھائی اس کا ہم خیال بن سکا۔ وجہ یہ تھی کہ ان کی تعلیمات کا تعلق غیر مرئی قوّت سے تھا۔ لوگ ایسے معبود پسند کرتے تھے۔ جنھیں وہ آنکھوں سے دیکھ سکیں اور ہاتھوں سے چھو سکیں۔

ملائکہ کے متعلق عقیدہ:

ملائکہ وہ خارجی ہستیاں ہیں جو ہماری روحانی اور جسمانی ربوبیت کے لیے پیدا کی گئی ہیں اور خدا تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان رابطے ہیں۔ زرتشت ملائکہ کے وجود کے قائل ہیں، وہ فرماتے ہیں۔ ترجمہ: یعنی ملائکہ بے شمار ہیں۔ (دساتیر صفحہ ۶)، حضرت آدم علیہ السلام سے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ترجمہ: یعنی فرشتے کلامِ الٰہی پیغمبر کے دل پر نازل کرتے ہیں۔ (دساتیر صفحہ ۳۷)

جنت و دوزخ کے متعلق عقیدہ:

زرتشت بعث بعد الموت اور جنت و دوزخ کے قائل تھے۔ فرماتے تھے، خدا تعالیٰ بہشتیوں کو جو جسم عطا کرتا ہے وہ نہ تو ریزہ ریزہ ہوگا اور نہ پرانا، نہ تھکے گا، نہ اس میں کوئی گند پیدا ہوگا۔ نجات پانے والے جنت میں ہمیشہ رہیں گے اور دوزخ میں گنہگاروں کو ان کی برائیاں آگ کی صورت میں جلائیں گی۔ ٹھٹھرنے والی اور ٹھنڈا کرنے والی برف، سانپ، بچھو اور دوسرے موذی زہریلے جانور عذاب دیں گے۔

رسولوں کے متعلق عقیدہ:

پیغمبروں کی ضرورت اور بعثت کے متعلق زرتشت فرماتے ہیں۔ پیغمبر اس لیے چاہیے کیوں کہ کاروبارِ زندگی میں ہم ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ ان کے لیے ایسے مرتّبان شرائع کی ضرورت ہے جنھیں سب لوگ مان لیں، تاکہ باہمی ظلم و ستم نہ ہو، کوئی دھوکہ اور فریب نہ ہو اور نظامِ عالم درست رہے اور یہ تمام قانون خدا کی طرف سے ہونے چاہییں تاکہ سب لوگ ان کو یکساں قبول کریں۔ اسی بنا پر پیغمبر مبعوث کیے جاتے ہیں۔

تخلیق کائنات کے متعلق عقیدہ:

زرتشت فرماتے تھے، تخلیق کائنات چھ ادوار میں ہوئی اور اہورا مزدا نے ترتیب وار آسمان، پانی، زمین، نباتات، حیوانات اور آخر میں انسان کو پیدا کیا۔ تمام نسلِ انسانی کو ایک ہی جوڑے سے پیدا کیا گیا، جن کا نام مشیہ اور مشیانا (نر اور ناری) ہیں۔

زرتشت مذہب کی تاریخ

زرتشت ایک خدا اہورا کے پجاری تھے جو مزدا (دانا) کہلاتے تھے۔ زرتشت کی حمد یا گاتھا (Gathas) میں جن مقامات یا شخصیتوں کا ذکر ہے، تاریخ میں ان کا پتہ نہیں چلتا اور اس لیے صحیح زمان و مکان کا تعین کرنا مشکل ہے لیکن یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ وہ مشرق ایران کے کسی حصہ میں تھے اور مغربی ایشیا کے ترقی یافتہ حصوں سے دور رہتے تھے۔ یہ زمانہ سائرس دوم سے پہلے کا ہے جب ایران ابھی متحد نہیں ہوا تھا۔ ہخامنشیوں کے دور کی کسی تحریر اور آثار میں بھی ان کا ذکر نہیں ملتا۔ اس کے بعد دارا اور اس کے جانشینوں کے آثار میں بہت ہی

معمولی اشارے ملتے ہیں۔ ہخامنشی دورِ حکومت میں کچھ عرصہ کے لیے یہ سرکاری مذہب رہا۔ سکندرِ اعظم کے حملہ کے بعد ہخامنشی دورِ حکومت ختم ہو گیا۔ اس کے بعد زرتشتی مذہب کا زور بھی ٹوٹ گیا۔ ساسانی دورِ حکومت میں اسے پھر عروج حاصل ہوا اور چار سو سال تک یہ سرکاری مذہب رہا اور مسیحیت سے ٹکر لیتا رہا۔

جب عوام نے زرتشت کی آواز پر کان نہ دھرے اور سرد مہری کا ثبوت دیا تو زرتشت توحید کا پیغام لے کر بلخ کے بادشاہ گشتاسپ سے ملنے گئے اور بادشاہ کے درباری علما سے مناظرہ کیا، جو تین دن اور تین رات جاری رہا۔ جس میں زرتشت نے اپنی تعلیمات کو دلائل کے ساتھ بیان کیا اور اس وقت کے مروجہ عقائد کا بطلان ثابت کیا۔ بادشاہ نے زرتشت کی تعلیم کو قبول کر لیا۔ اس کے بعد یہ مذہب تیزی سے ترقی کرنے لگا۔ اشاعت کے لیے دور دراز ممالک میں مبلغ بھیجے۔ زرتشت نے شاہِ فارس (ایران) کی مدد سے اپنے مذہب کو ملک توران (Turan) میں پھیلانے کی کوشش کی۔ توران موجودہ ازبکستان (Uzbekistan)، قازقستان (Kazakhstan)، تاجکستان (Tajikistan) اور کچھ شمالی حصہ افغانستان کا شامل تھا۔ جس کے نتیجہ میں دونوں ملکوں کے تعلقات خراب ہو گئے اور دونوں ملکوں میں جنگ چھڑ گئی۔ اِسی جنگ میں زرتشت کو ایک تورانی سپاہی نے پیٹھ میں خنجر مار کر شہید کر دیا۔

635ء میں عربوں نے یزدگرد سوم کو شکست دے کر فارس (ایران) پر قبضہ کر لیا اور پورے ملک میں اسلام پھیل گیا۔ اِس واقعہ کے بعد زرتشت مذہب کے لوگ چھوٹے چھوٹے گروہوں میں اقلیتوں کی طرح رہنے لگے۔ دسویں صدی عیسوی کے بعد زرتشت مذہب کے لوگ ترکِ وطن کر کے برصغیر میں پھیل گئے اور اپنے وطن کے زرتشتی لوگوں سے ان کا تعلق ٹوٹ گیا۔ شروع میں یہ کھیتوں میں کسانوں کی طرح کام کرنے لگے، لیکن انگریزوں کے اقتدار کے زمانے میں انھوں نے تعلیم، تجارت اور صنعت میں زبردست ترقی کی اور صوبہ گجرات اور بمبئی کی معاشی زندگی میں خاص مقام حاصل کر لیا۔

زرتشتی مذہب اپنے شروع کے دور میں شمالی ایران کے امن پسند و متوکل لوگوں کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ لوگ اپنے دشمن خانہ بدوشوں سے بالکل مختلف تھے جو نیچر پرست تھے۔ کئی کئی دیوتاؤں کو مانتے تھے اور جن کی زندگی زیادہ تر گھوڑوں کی پیٹھ پر گزرتی تھی۔ زرتشت ان لوگوں کا مقابلہ ہمیشہ اپنے لوگوں سے کرتے تھے۔ اپنے لوگوں کو وہ انصاف پسند و پاک باز (آشا) بتلاتے تھے اور خانہ بدوشوں کو جھوٹے اور دھوکا باز (درج)۔ زرتشت ہمیشہ زمین کی پیداوار بڑھانے اور مویشیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تلقین کرتے تھے اس لیے کہ مویشیوں کی محنت ہی سے غذا پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ انھوں نے دیوتا متھرا کے سامنے بیلوں کی قربانی منع کر دی اور عبادت کے وقت ہاوما (ایک قسم کی نشہ آور چیز) کے استعمال پر بھی پابندی لگا دی۔

زرتشتی مذہب شاہانِ خورس اور دارا کے عہد چھٹی اور پانچویں صدی قبل مسیح (BCE) میں اپنے نقطۂ عروج پر تھا۔ زرتشت کے مرنے کے ڈھائی سو سال بعد 331 قبل مسیح (BCE) میں سکندرِ اعظم نے فارس (ایران) پر حملہ کیا۔ فتح کے نشہ میں شور مقدونی فاتح نے پرسپولس (Persepolice) کے عظیم شاہی کتب خانہ کو نذرِ آتش کر دیا۔ جس میں تمام زرتشتی کُتب جو زرتشت کے وقت کی تھیں۔ جل کر راکھ ہو گئیں۔ زرتشتی عالم اور پروہت اپنی جانیں بچانے کے لیے پہاڑوں کی غاروں میں جا چھپے۔ جب زرتشتی مذہب کا دوبارہ احیا ہوا، تو پروہتوں کو جو چیزیں زبانی یاد تھی، اُس کی مدد سے کتب مدون کی گئیں۔ لازمی طور پر ان تدوین کردہ کتب میں تحریف ضرور ہوگی۔

زرتشتی مذہب کا دوسرا سنہری دور تیسری صدی عیسوی میں ساسانی خاندان کے عروج کے ساتھ شروع ہوا۔ شاہ ارتبانس

(Artabaus)اسی خاندان کا بانی مبانی تھا۔ زرتشی کتب دوبارہ تالیف کروائی گئیں۔ پہلوی زبان میں تراجم ہوئے اور یہی مذہب فارس (ایران) کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا تھا۔ زرتُشت کے بعد جلد ہی اس مذہب سے انحراف شروع ہوگیا۔ عربوں کے فارس (ایران) پر حملے کے بعد اسلام کی اشاعت عام ہوئی اور وہ جس قدر پھیلتا گیا، زرتُشتی اسی قدر سمٹتے گئے۔ جب وہاں حالات بدلے تو زرتشتی لوگ فارس (ایران) میں کرمان اور دشوار گزار علاقوں میں جا آباد ہوئے۔ کچھ لوگ ہندوستان میں سورت اور دیگر علاقوں میں چلے گئے۔ برصغیر میں انھیں پارسی کہا جاتا ہے۔

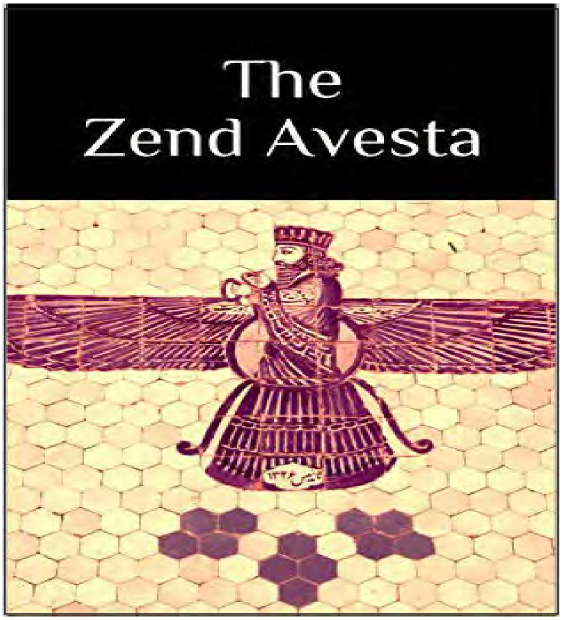

تدوین کردہ کتب:

قدیم زرتشتی مذہبی کتب میں دو دفتر اہم ہیں، ایک دساتیر اور دوسرے ژنداوستا۔ ان کتب کے دو حصے ہیں۔ خوردہ دساتیر اور کلاں دساتیر، خوردہ اوستا اور کلاں اوستا۔ اوستا کے پانچ حصے ہیں۔ 1۔ یاسنا، 2۔ گاتھا، 3۔ وسپرید، 4۔ وندیداؤ، 5۔ یاشت (ان میں سے خاص طور پر اہم ہیں)۔ پہلی عبادت اور قربانی سے متعلق ہے، دوسری حمد و مناجات سے متعلق ہے۔ انھی دو کو ژند اور مہاژند بھی کہتے ہیں۔

پانچویں صدی قبل مسیح (BCE) ایران میں زرتشی مذہب کے ستّر کے قریب فرقے تھے۔ ہر فرقہ کا یہ دعویٰ تھا کہ اس کے پاس ہی اصلی اوستا ہے، شاہِ ایران ارتخشتاہ (Artaxeues) نے ان اختلافات کو مٹانے کے لیے قریب 450 قبل مسیح (BCE) علما کی ایک کونسل منعقد کی۔ اس کونسل میں قریباً اَسّی ہزار علما شامل ہوئے۔ اس قدر کثیر علما کی وجہ سے اوستا کی تدوین کا کام مشکل ہوگیا۔ بادشاہ نے ان میں سے سات علما (مغ) منتخب کر لیے۔ ان سات علما نے اوستا کی از سرِ نو تدوین کی۔ اس طرح زرتشت مذہب کے ضابطۂ قوانین مرتب کیے گئے۔

ادوادیرف کی مدونہ اوستا بھی اسکندر کے حملے کے وقت نذرِ آتش ہوگئی تھی۔ اس واقعہ کے بعد مدت دراز تک اوستا کا کہیں نام نہیں لیا گیا۔ اوستا میں زرتشت کے مروّجہ اقوال کے کچھ حصے جونسک کے نام سے مشہور تھے۔ پہلوی زبان میں تدوین کیے گئے۔ موجودہ تحقیقات کی رو سے یہ ترجمے مستند ہیں۔

ساسانیوں کے دور میں زرتشت کی تعلیمات کو پھر اکٹھا کر کے ایک مجموعہ تیار کیا گیا۔ جو اس وقت تک اوستا (Avesta) کے نام سے مشہور ہے، اس میں ایک حصہ یسنا کہلاتا ہے، جو 73 ابواب پر مشتمل ہے اس میں قربانیوں کی رسومات اور دعائیں درج ہیں۔ اس میں 28 سے 54 ابواب تک جناب زرتشت کی طرف منسوب ہیں۔ یہ ان کی پانچ گتھائیں کہلاتی ہیں۔

دوسرا حصہ وندیداؤ کہلاتا ہے۔ جس میں دیوتاؤں اور بھوتوں سے محفوظ رہنے کے منتر ہیں۔ تیسرا حصہ دسبیر ید ہے۔ چوتھا یشت

ہے۔جس میں متعدد خداؤں اور روحوں سے مدد حاصل کرنے کی دعائیں ہیں۔ یہ کتب ژندی اور پہلوی دوز بانوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان دونوں قسم کے رسم الخط کے علاوہ کچھ لٹریچر خطِ میخی میں بھی موجود ہے۔ پہلوی رسم الخط موجودہ فارسی خط سے ملتا جلتا ہے،لیکن ژندی اور میخی دونوں اس سے مختلف ہیں۔ یہ سنسکرت زبان کے قریب ہیں۔

زرتشت مذہب کی تعلیمات اور نظریات:

زرتشتی مذہب کے مطابق اس ساری کائنات کی تاریخ (ماضی، حال اور مستقبل) چار ادوار میں تقسیم کی جاسکتی ہے جس میں سے ہر ایک دور 3 ہزار سال کا ہے۔ پہلے دور میں کسی مادہ کا وجود نہیں تھا۔ دوسرا دُور زرتشت کی آمد کے عین پہلے کا ہے اور تیسرے میں ان کی تعلیم کی اشاعت ہوئی۔ پہلے 9 ہزار سالوں میں نیکی اور بدی کی جنگ جاری رہی۔ نیک لوگ آہورمزدا کے ساتھ رہے اور بد لوگ اہرمن کے ساتھ تھے۔ ہر شخص کو موت کے بعد دوزخ سے پہلے پل (چنواتو پریتو) سے گزرنا ہوتا ہے۔ اگر وہ بد ہے تو پل تنگ ہو جاتا ہے اور وہ دوزخ میں گر جاتا ہے اور اگر نیک ہے تو اس کے لیے جنت کا راستہ کھل جاتا ہے۔ چوتھے دُور میں دنیا کو بچانے والا ''ساوشیانت'' نمودار ہوگا۔ تمام مردے زندہ ہوں گے اور ان کے اعمال کا حساب کتاب ہوگا۔ بد ہمیشہ کے لیے سزا کے مستوجب ہوں گے اور نیک ہمیشہ کے لیے اپنی نیکی کا پھل پائیں گے۔

زرتشت مذہب میں، جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے، ثنویت نہیں بلکہ ایک طرح کی نیم ثنویت ہے۔ کیونکہ آخر کار فتح آہورمزدا ہی کی ہوتی ہے۔ زرتشتی مذہب میں آگ کی جو اتنی اہمیت ہے اور مذہبی تقاریب میں اس کی جو اس قدر حرمت دکھلائی جاتی ہے اس سے یہ ایک غلط خیال رائج ہے کہ ان میں پہلے آگ کی پرستش کا رواج تھا۔ اصل یہ ہے کہ نہ صرف آگ بلکہ پانی اور زمین بھی یعنی خالص قدرتی اشیا آہورمزدا کی نمائندہ ہیں اور ان چیزوں کو پاک وصاف رکھنے کی ہر ممکنہ کوشش کی جاتی ہے۔

زرتشت مذہب کے مطابق انسان آزاد ہے کہ وہ نیکی یا بدی دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرے اور پھر اس کے پھل کے لیے تیار رہے۔ اس انتخاب میں جسم اور روح دونوں کو حصہ لینا چاہیے۔ نیکی و بدی کی ٹکر جسم و روح کی ٹکر نہیں ہے اور اس لیے دوسرے قدیم مذاہب کے برعکس تجرد اور کفارہ کے لیے روزے ممنوع ہیں۔ اس کی اجازت صرف روح کی پاکیزگی کے لیے ہے۔ بدی کے خلاف انسان کی جدوجہد منفی نوعیت کی ہے یعنی اسے اپنے آپ کو ہمیشہ پاک وصاف رکھنا چاہیے اور موت کی طاقتوں کو اس کا موقع نہیں دینا چاہیے کہ وہ اسے ناپاک بناسکیں۔ اسی لیے مردہ چیزوں کو چھونے سے بھی پرہیز کیا جاتا ہے۔

زرتشتی اخلاقیات کی بنیاد اس کے اعلیٰ مذہبی فلسفہ پر ہے۔ انسان اس کائنات میں ایک بے بس ہستی نہیں ہے۔ اسے انتخاب کی پوری آزادی ہے اور وہ پوری شان وشوکت کے ساتھ اہرمن کے خلاف نیکی کی فوج کا سپاہی بن سکتا ہے۔ اس مذہب کا نہایت سادہ فلسفہ یہ ہے۔ ''نیچر ہی صرف پاک وصاف اور نیک ہے وہ دوسروں کے ساتھ ایسی کوئی چیز نہیں کرے گی جو وہ اپنے لیے پسند نہیں کرتی ہے۔'' اوستا نے انسان کے لیے تین فرائض مقرر کیے ہیں۔'' * جو دشمن ہیں انھیں دوست بناؤ۔ * جو بد ہیں انھیں نیک بناؤ۔ * جو جاہل ہیں انھیں قابل بناؤ۔'' سب سے بڑی نیکی زہد ہے اور اس لیے خدا کی عبادت پہلا فرض ہے اور اس کے لیے صفائی، قربانی اور دعا کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے اور اس کے بعد عمل اور گفتار میں ایمانداری اور عزت واحترام ملحوظ رہنا چاہیے۔ زرتشتی کو سود لینا منع قرار دیا گیا تھا اور یہ ہدایت کی گئی تھی کہ

قرض دار کو چاہیے کہ وہ قرض کو ایک مقدس امانت سمجھے۔سب سے بڑا گناہ بے اعتقادی ہے۔مرتد کے لیے موت کی سزا ہے۔

بعد کے دور میں دوسرے مذاہب کی طرح زرتشت مذہب میں بھی رسوم داخل ہوگئی۔شروع میں معبد بنانا اور بت رکھنا منع تھے۔ قربان گاہیں پہاڑیوں پر،محلوں میں یا شہر کے مرکز میں بنائی جاتی تھیں اور ان میں آہورمزدا کے احترام میں آگ جلائی جاتی تھی۔بعد میں ہر گھر میں آگ جلائی جانے لگی۔اسے کبھی بجھنے نہیں دیا جاتا تھا۔جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا،مذہبی پیشواؤں،پروہتوں وغیرہ نے بے شمار رسوم کو اس مذہب کا حصہ بنا لیا اور اس طرح مذہب کی شکل بدل گئی۔

زرتُشتیوں کے عقائد اور تعلیمات کے تاریخی جائزے سے پتا چلتا ہے،کہ طویل عرصہ تک اس کے عقائد اور تعلیمات میں اضافے ہوتے رہے۔جدید دَور کی تحقیقات میں اس زمانے کی تحریروں کو پڑھ لیا گیا ہے۔اس کامیابی کے بعد پارسی علما نے بھی جدید تحقیق کی طرف توجہ دی ہے۔اس تحقیق کے بعد ان کی مذہبی کتاب اوستا(Avista) کی گاتھاؤں کے نام سے منسوب تعلیمات کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔

گاتھاؤں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ زرتُشت کی تعلیمات میں خدائے واحد (اہورامزدا) کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ وہی حقیقی معبود،خالقِ کائنات اور مخلوق کا پالن ہار ہے۔وہ ازلی اور ابدی ہے اور پورے اختیارات کا مالک اور علیم و بصیر ہے۔خیر و شر کی کشمکش اس مذہب میں بڑی اہمیت رکھتی ہے اور یہ تعلیمات زرتُشتیت کا اہم جزو ہیں۔وہ خیر کو پسند کرتا ہے اور شر کو ناپسند۔یہ عقیدۂ ثنویت ہے۔اس کے مطابق دو خدا ہیں ایک خیر کا،جسے اہورامزدا(Ahura Mazda)(یزداں)اور دوسرا شر یعنی بدی کا خدا ہے جسے اینگرومینو(Angra Mainyu)(اھرُمن) کہتے ہیں اور وہ حق سے برسرِ پیکار رہتا ہے۔زرتُشت نے سات متبرک شخصیات کا بھی ذکر کیا ہے جو اہورامزدا اور کائنات میں واسطے کا کام کرتی ہیں۔

زرتُشت مذہب کے مطابق انسان اپنے ارادے میں آزاد ہے۔وہ خیر کے ساتھ رہے یا شر کے ساتھ،اُسے آزادی حاصل ہے۔ زرتُشت کے مطابق یہ دُنیا دارالعمل ہے اور یہاں کے اعمال کا جواب مرنے کے بعد دینا ہوگا،اچھے اعمال کا اجر جنت اور بُرے اعمال کی سزا دوزخ ہے۔زرتُشت نے ایک مقررہ وقت پر قیامت کے آنے کا تصوّر بھی دیا ہے۔ان کے مطابق قیامت کے قریب ایک نجات دہندہ آئے گا،جس کی سرکردگی میں خیر کو شر پر فتح حاصل ہوگی اور دُنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔بعد ازاں حشر کا میدان لگے گا،اور تمام مُردے زندہ کر دیے جائیں گے اور جنّت و دوزخ کے فیصلے ہوں گے۔زرتُشت کے مطابق بُرے اعمال کی سزا دوزخ ہے مگر ہمیشہ کے لیے نہیں۔بُرے اعمال کی سزا پوری کر کے انسان جنت میں جائیں گے۔

زرتُشت عقیدے کے مطابق انسان چاروں طرف سے اندھیروں میں گھرا ہوا ہے،اِس لیے اینگرومینو سے بچنے کے لیے اہورامزدا کی عبادت ضروری ہے۔زرتُشت میں عبادت سادہ ہے۔اس میں کوئی پیچیدگی نہیں۔وہ آگ کی پرستش کرتے ہیں۔عبادت گاہ یعنی آتش کدے میں آگ روشن کرتے ہیں اور اس کے سامنے مقدّس کلام پڑھتے رہتے ہیں اور مذہبی گیت گاتے ہیں۔ان کے عقیدے کے مطابق اس سے خبیث روحوں کا زور ختم ہوتا ہے۔وہ آگ،پانی اور ہوا وغیرہ کو یزدانی قوت کا مظہر تصور کرتے ہیں۔ان میں سے صرف آگ ہی کو پابند کیا جاسکتا ہے،اس لیے وہ آگ کو نورانی وصف کی وجہ سے لائقِ تعظیم جانتے ہیں۔یہ انسان کو انجام کا احساس دلاتی رہتی ہے یعنی آخرکار ہر ایک انسان کو مٹی یا راکھ بن جانا ہے۔دراصل آگ کی پرستش قدیم آریا روایت کا حصّہ ہے اور اسے زرتُشت مذہب میں مرکزی حیثیت

حاصل ہے۔ایران کے آثارِقدیمہ میں کئی آتش کدے ملتے ہیں۔ان میں آگ روشن کرنے کے کئی ایک آداب مقرر ہوتے تھے۔یہ آگ پانچ وقت روشن کی جاتی تھی۔تہواروں میں اس کی شان میں اضافہ ہوجاتا تھا۔

زرتشت مذہب میں پیدائش اورموت کی رسوم موجود ہیں۔ان کے ہاں بچے کی پیدائش پرخوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔نوجوتے کی رسم ادا کی جاتی ہے۔البتہ موت کے بارے میں ان کے عقائد کے مطابق رسوم ادا کی جاتی ہیں۔وہ ہوا، مٹی، پانی اور آگ کو متبرک سمجھتے ہیں۔وہ لاش کو احتیاط سے درختوں کی مچان بنا کر اس پر رکھتے تھے، یا اس مقصد کے لیے مینار بھی بناتے تھے اور لاش وہاں رکھ دیتے تھے جہاں پرندے اُسے کھالیتے تھے۔ان کا نظریہ تھا کہ مرنے کے بعد بھی ان کا جسم بھوکے پرندوں کی غذا کے لیے کام آسکتا ہے۔لیکن اب سہولیات نہ ہونے کے سبب جہاں مینار نہیں ہوتے، وہاں وہ اپنی لاشوں کو جلاتے یا دفن کردیتے ہیں۔

پارسیوں کی مقدس کتابوں میں دساتیر اور آوستا شامل ہیں۔دساتیر کو مزید دوحصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔خُرد (چھوٹا) دساتیر اور کلاں (برا) دساتیر۔آوستا کو بھی مزید دوحصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔خُرد (چھوٹا) آوستا اور کلاں (بڑا) آوستا جسے زند یا ماہا زند بھی کہا جاتا ہے۔پارسیوں کے مذہبی صحیفے دو زبانوں میں پائے جاتے ہیں۔پہلوی (پہلوی دستاویز موجودہ فارسی دستاویز سے مشابہت رکھتی ہے) اور ژندی۔ان دو زبانوں کے علاوہ کچھ مذہبی مواد ایسی تحریری شکل میں پایا جاتا ہے، جسے پڑھا نہیں جاسکتا۔کچھ زرتشتی دساتیر کو زیادہ مستند سمجھتے ہیں جبکہ دوسرے آوستا کو زیادہ مستند سمجھتے ہیں۔

زرتشتی نوجوتے تقریب (زرتشت مذہب میں شامل ہونے کی رسم):

زرتشت مذہب میں شامل ہونے کی رسم کو کہتے ہیں۔جب کوئی بچہ ایک خاص عمر کو پہنچتا ہے تو ایک تقریب منعقد کی جاتی ہے جس میں چند کلام پڑھے جاتے ہیں اور بچے کو پارسی بنایا جاتا ہے اور اُس کی مذہبی تعلیم شروع ہوتی ہے۔

نُوروز:(Nauroz)

نُوروز

''نُوروز'' زَرتُشت مذہب میں بہت اہمیت کا حامل تہوار ہے۔اس کی جڑیں اس مذہب میں بہت گہری ہیں۔دنیا کی تمام قوموں اور مذاہب نے ان کے ماننے والوں کو مختلف تہواروں سے متعارف کروایا ہے، جنھیں وہ بہت جوش وخروش سے مناتے ہیں۔ اسی طرح کے تہواروں میں ایک تہوار ''نوروز'' بھی ہے''نُوروز'' فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی'' نیا دن'' کے ہیں۔نُوروز ایرانی تہوار ہے، زرتشت مذہب کے مطابق ہر سال 21 مارچ کو انتہائی جوش وجذبے سے منایا جاتا ہے یہ تہوار موسمِ بہار کو خوش آمدید کہنے کے لیے منایا جاتا ہے۔اِس کے علاوہ یہ ایرانی اور زرتشتی سال کا پہلا دِن ہے۔

اس تہوار کی تیاری کیلئے لوگ نئے نئے کپڑے خریدتے ہیں۔ لوگ ایک دوسرے کو مشہور پھول جن میں ''ہائے سنتھ'' اور ''گل لالہ'' بھیجتے ہیں۔ ''نُوروز'' کے پہلے دن خاندان کے لوگ میز کے اردگرد اکٹھے ہوتے ہیں، جس کے پر ''ہفت سین'' (نُوروز کا کھانا) ہوتا ہے۔ اس موقع پر لوگ ایک دوسرے کو تحفے بھی پیش کرتے ہیں۔

ہفت سین ''نُوروز'' کا ایک بڑا روایتی دسترخوان ہے۔ اس کے بارے میں لوگوں کا خیال ہے کہ یہ دسترخوان زندگی، صحت، دولت کی فراوانی، محبت اور صبر و خلوص کو ظاہر کرتا ہے۔ اس میں سات مخصوص اشیا شامل ہوتی ہیں جو صرف ''س'' یعنی ''S'' کے حرف سے شروع ہوتی ہیں۔

''ہفت سین'' بہت سے ارتقائی ادوار سے گزرتا رہا ہے لیکن اس کے باوجود اس کی علامت برقرار ہے اور ہر خاندان اپنی پوری کوشش کرتا ہے کہ دسترخوان کو خوبصورت انداز میں سجائے۔ کیوں کہ یہ دسترخوان ان کے لیے روحانی اہمیت کا حامل ہے۔ ساتھ ساتھ یہ دسترخوان ان کے اچھے ذوق کی بھی عکاسی کرتا ہے۔ ''نوروز'' کی چھٹیوں کے دوران لوگ اپنے خاندان کے بزرگوں، دوستوں اور پڑوسیوں کو ملنے جاتے ہیں۔ تمام لوگ نئے نئے کپڑوں میں ملبوس ہوتے ہیں، چھوٹے بڑوں کو ملنے میں پہل کرتے ہیں اور بعد میں بزرگ چھوٹوں کو ملنے بھی چلے آتے ہیں۔ تیرھویں دن خاندان کے افراد گھر سے نکل کر پکنک کے لیے جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا ''نوروز'' کے بارے میں یہ اعتقاد ہے کہ ایک شخص جو کچھ ''نُوروز'' پر کرے گا اس کا اثر پورا سال جاری رہے گا۔ مجموعی طور پر جشنِ نوروز ایک ایسا تہوار ہے جو مذہبی اور معاشرتی اعتبار سے لوگوں کی زندگیوں پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔

☆☆☆☆

مشق

(الف) مفصّل جوابات لکھیں۔

1۔ زرتُشت کی زندگی کے بارے میں نوٹ لکھیں۔

2۔ زرتُشت مذہب کے عروج وزوال کے بارے میں تفصیلاً لکھیں۔

3۔ زرتُشتی عقائد تفصیل سے بیان کریں۔

4۔ زرتشت کی تبلیغ اور تعلیمات کو تفصیل سے بیان کریں۔

5۔ مختصر نوٹ لکھیں۔

i۔ اوستا ii۔ زرتُشت مذہب میں موت کی رسمیں iii۔ نُوروز

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ زرتُشت کب پیدا ہوئے تھے؟

2۔ زرتُشت کو صحراؤں اور پہاڑوں میں کیا چیز لے گئی؟

3۔ زرتُشت کے دَور میں ایران میں کس چیز کو عروج حاصل تھا؟

4۔ زرتُشت مذہب کی مذہبی کتاب کا کیا نام ہے؟

5۔ نُوروز کیوں اور کیسے منایا جاتا ہے؟

(ج) دُرست جواب کی نشان دہی کیجیے۔

1۔ زرتُشت کا خدائے واحد سے تعلق ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سال کی عمر میں ہوا۔

(ا) 20 (ب)30 (ج)40 (د)50

2۔ زرتُشت نے مشرقی ایران میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سال تک اپنے مذہب کی تبلیغ کی۔

(ا) 30 (ب)33 (ج)37 (د)40

3۔ پارسیوں کی مذہبی کتاب اوستا میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

(ا)اہورامزدا (ب)اینگرومینو (ج) خیروشر کی کشمکش (د)سات متبرک شخصیات

4۔ یزدانی قوتوں میں سے آگ کی پرستش اس لیے کی جاتی ہے کیوں کہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

(ا) ہوا کی روک مشکل (ب) پانی کو روکنا مشکل

(ج) آگ کو پابند کیا جاسکتا (د)ا،ب،ج

5۔ زرتُشتی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کو یزدانی قوت کا نمونہ تصور کرتے ہیں۔

(ا) آگ (ب) درخت (ج) اناج (د) ا، ب، ج

6۔ سکندرِ اعظم نے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔نذرِ آتش کر دیا۔

(ا) شاہی محل (ب) شاہی لائبریری (ج) شاہی باغ (د) ا، ب، ج

(د) درست جملے کے سامنے ''ص'' اور غلط جملے کے سامنے ''غ'' لکھیں۔

1۔ زرتشت سے پہلے ایران میں بے شمار دیوی دیوتا تھے۔

2۔ زرتشت ایران میں پیدا ہوئے۔

3۔ زرتشت مذہب میں دو اہم خدا ہیں۔

4۔ زرتشت نے استاد حکیم بزاکرزا سے تعلیم حاصل کی۔

5۔ زرتشت کی تعلیم میں توحید کا تصوّر اہم تھا۔

6۔ زرتُشتی جنت دوزخ کے قائل نہیں ہیں۔

7۔ زرتشت مذہب کے مطابق انسان غلام ہے۔

8۔ نوروز کے کھانے میں سات اشیا اہم ہیں۔

(ہ) کالم (الف) کو کالم (ب) سے ملائیں اور جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
آگ کی پرستش	سرکاری مذہب	
اہوارمزدا	مچان	
اینگرومینو	شر	
ساسانی دورِ حکومت	قدیم آریا روایت	
لاش	خیر	

(و) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1۔ لائبریری یا انٹرنیٹ سے زرتشت عبادت گاہ کی تصویریں حاصل کریں اور مختلف تصویروں کا چارٹ تیار کریں۔

2۔ زرتُشتیوں کے عقائد کی فہرست تیار کریں۔

(ز) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ تختۂ تحریر پر عہدِ زرتُشت لکھیں۔

2۔ نقشے میں ان علاقوں اور ملکوں کی نشان دہی کریں جہاں کسی زمانے میں زرتُشتیوں کا زور رہا۔

3۔ زرتُشت کے عقیدے خیر و شر کی کشمکش کے حوالے سے طلبہ کو بتائیں کہ یہ ہر مذہب اور ہر دَور میں انسانوں میں جاری ہے البتہ مختلف مذاہب میں نام مختلف ہیں۔

سِکھ مذہب

گورونانک صاحب جی کے حالاتِ زندگی:

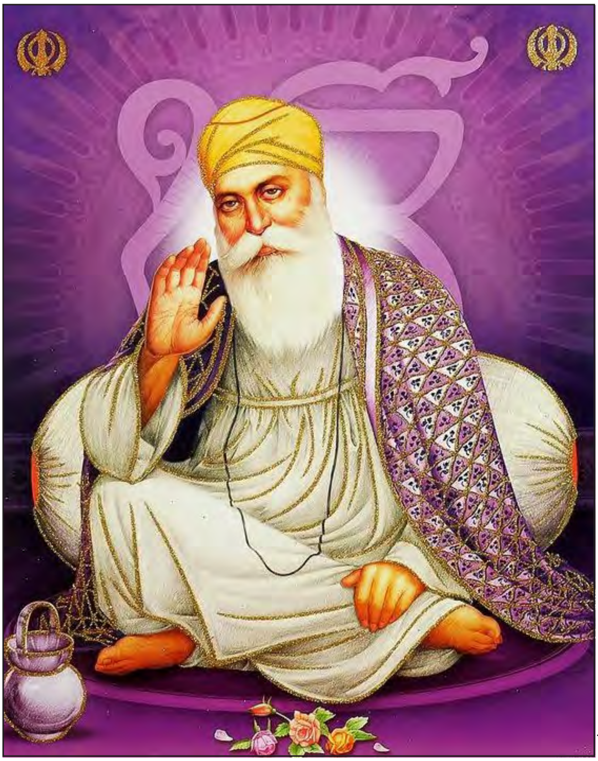

گورونانک صاحب جی کی پیدائش 15 اپریل 1469ء کو وسطیٰ پنجاب میں لاہور سے تقریباً 50 میل جنوب مغرب میں واقع ایک گاؤں تلونڈی (موجودہ ضلع ننکانہ صاحب) میں ہوئی تھی۔ خاندان کے اعتبار سے وہ بیدی کھتری تھے اور ان کے والد کلیان چند عرف کالو جو اپنے زمانے کے لحاظ سے تعلیم یافتہ تھے مقامی مسلم زمیندار (رائے بلار) کی سرکار میں منیم (مُنشی) کے عہدے پر مامور تھے۔

سکھ روایت میں گورونانک صاحب جی کی پیدائش کے وقت سے لے کر بچپن، لڑکپن، جوانی اور بعد میں ان کے بحیثیت روحانی راہنما کے سبھی ادوار میں ایسے قصے اور واقعات موجود ہیں جو ان کے براہِ راست روحانی شخصیت ہونے اور لوگوں میں ان کے غیر معمولی مقام پر فائز ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

گورونانک صاحب جی کی روایتی سوانح عمریوں سے جو سکھ روایت میں ''جنم ساکھیوں'' کے نام سے معنون ہیں گورونانک صاحب جی نے اوائل عمر میں نا صرف سنسکرت اور ہندو مذہب کی مقدس کتابوں کا علم حاصل کیا تھا بلکہ اس وقت کے عام دستور کے مطابق گاؤں کی مسجد مکتب سکول میں عربی اور فارسی کی تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ ان روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ گورونانک صاحب جی کا مذہبی رجحان روز بروز نمایاں ہوتا جا رہا تھا۔ جو ان کے والد مہتہ کالو جی کے لیے سخت تشویش کا باعث تھا۔ مہتہ کالو جی اپنے اکلوتے صاحبزادے نانک (ان کی ایک بہن بھی تھی جس کا نام بی بی نانکی تھا) کے مذہبی استغراق کو دیکھتے ہوئے ان کے دنیوی مستقبل کے بارے میں بہت پریشان تھے۔ یہاں ہم مختصراً محض ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں جو گورونانک صاحب جی کی افتادِ طبع پر بخوبی روشنی ڈالتا ہے۔

مختلف طور طریقوں کے ناکام ہو جانے پر مہتہ کالو جی نے اپنے صاحبزادے کو ایک معقول رقم دے کر گاؤں کے ایک آدمی کے ساتھ کر دیا تا کہ گورونانک صاحب جی قریب ترین بازار سے تجارت کے لیے سامان خریدیں اور آزادانہ طور پر اپنے کاروبار کی ابتدا کریں۔ گورونانک صاحب جی جو اس وقت عنفوانِ شباب کی سرحدوں میں قدم رکھ رہے تھے اور اپنی روحانی طلب میں سرگرداں رہتے تھے اس موقع پر انکار نہ کر سکے اور تجارت کی رقم لے کر ''نفع بخش سودا'' کرنے کی غرض سے بازار کے لیے روانہ ہو گئے۔ راستہ کے جنگل میں ان کی مڈبھیڑ سادھوؤں کی ایک جماعت سے ہوئی جو کئی دنوں سے فاقہ کشی میں مبتلا تھے۔ ان سے دریافت حال کے بعد گورونانک

صاحب جی بازار پہنچے اور سامانِ تجارت کی بجائے تمام پونجی سے ان سادھوؤں کے لیے کھانے پینے کا سامان خریدا۔ بازار سے لوٹ کر ان سادھوؤں کو کھانا کھلانے کے بعد اپنے نزدیک ''نفع بخش سودا'' کر کے گورو نانک صاحب جی گاؤں واپس ہوئے اور مہتہ کلیان داس سے بچنے کے لیے تنبو نما جھاڑیوں میں آرام کیا۔ جس کو آج سِکھ گورودوارہ تنبو صاحب کہتے ہیں۔

ایک آخری تدبیر:

ایک آخری تدبیر کے طور پر گورو نانک صاحب کے والد نے ان کو ان کے بہنوئی جے رام کے پاس سلطان پور شہر بھیج دیا جہاں جے رام نواب دولت خاں لودھی کی سرکار میں ملازم تھے۔ اپنی ابتدائی تعلیم کی بنیاد پر گورو نانک صاحب جی کو بھی نواب کی انتظامیہ میں جگہ مل گئی اور ان کو سرکاری گودام کا نگران مقرر کر دیا گیا۔ اس وقت گورو نانک صاحب جی کی عمر 18، 19 سال سے زیادہ نہیں تھی مگر یہ ان کی ذاتی قابلیت، خاندانی شرافت اور نواب کے دربار میں جے رام کے رسوخ کا نتیجہ تھا کہ گورو نانک صاحب جی کو اس قدر ذمہ دار عہدہ پر مقرر کیا گیا۔ اس طرح کچھ عرصے کے لیے گورو نانک صاحب جی نے دنیاوی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کا بیڑا اٹھالیا۔ سلطان پور کے دوران قیام میں ان کی بہن نانکی دیوی اور بہنوئی کی کوششوں سے گورو نانک صاحب جی کی شادی بٹالہ کے ایک کھتری خاندان میں بی بی سلکھنی نامی خاتون سے ہوگئی جس سے ان کے دو صاحبزادے بابا سری چند اور بابا سری لکشمی داس پیدا ہوئے۔ ان میں سے دوسرے صاحبزادے کی اولاد اب بھی پنجاب کے مختلف علاقوں میں آباد ہے۔ سلطان پور میں ملازمت کے دوران جس کی مدت آٹھ یا نو سال سے زیادہ نہیں تھی گورو نانک صاحب جی نے اپنے روحانی ذوق کی تسکین کا سامان کر رکھا تھا۔ اس دُور کے ماحول میں بھگتی تحریک کے رجحانات کے زیرِ اثر گورو نانک صاحب جی نے بھی اپنے طور پر ایک خدائے واحد کی پرستش اختیار کر رکھی تھی۔ چونکہ وہ خود بہت حساس طبیعت کے مالک تھے اور شعر کہنے پر قدرت رکھتے تھے اس لیے وہ اپنی روحانی کیفیت کے دوران خدائے واحد کی حمد و ثنا اور عشقِ حقیقی میں ڈوبے ہوئے اشعار مرتب کرتے رہتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ وہ صبح سویرے اُٹھ کر اپنے بچپن کے ساتھی مردانہ کے ساتھ جو رباب بہت اچھا بجاتے تھے۔ شہر کے پاس ویں ندی کے کنارے پہنچ جاتے تھے۔ ندی کے ٹھنڈے پانی میں غسل کرنے کے بعد گورو نانک صاحب جی وہیں ندی کے کنارے بیٹھ جاتے اور دن چڑھے تک خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے اور اپنے اشعار کیرتن کی شکل پڑھتے رہتے تھے۔ جبکہ مردانہ اپنے رباب کی موسیقی سے ان کا ساتھ دیتے تھے۔ اس طرح شام کو بھی روزمرہ کے معمولات سے فراغت پا کر رات گئے ذِکر الٰہی کی محفل جمتی تھی۔ ان محفلوں میں اکثر کچھ دوسرے عقیدت مند بھی شامل ہو جاتے تھے۔ ایک مدت تک گورو نانک صاحب جی کے شب و روز اس طور پر گزرتے رہے۔ یہاں تک کہ اُن کی زندگی میں ایسا اہم واقعہ پیش آیا جس سے منسلک تجربات نے ان کی زندگی کا رُخ بدل دیا۔

گورو نانک صاحب جی کی زندگی میں انقلاب:

دنیا کے تقریباً سبھی مذہبی راہنما مذاہب کے بانیوں کی زندگی میں کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ ضرور پیش آتا ہے۔ جس کے روحانی اثرات کی بنا پر صاحب واقعہ کی زندگی دو حصے میں بٹ جاتی ہے۔ ایک اس واقعہ سے پہلے کی زندگی اور ایک اس واقعہ کے بعد زندگی ہوتی ہے۔ پھر ایسے تمام واقعات کا یہ بھی خاصہ ہے کہ اس شخصیت کی اس واقعہ کے بعد کی پوری زندگی اسی مرکزی واقعہ کے اثرات کے تابع رہتی ہے۔

اِسی طرح ایک دن صبح کو جب گورو نانک صاحب جی اپنے معمول کے مطابق ویں ندی میں نہانے کے لیے اترے تو وہ غوطہ

لگانے کے بعد باہر نہیں نکلے ان کے کپڑے ندی کے کنارے ہی تھے۔ کچھ دیر انتظار کے بعد تمام لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ ندی میں ڈوب گئے ہیں، نواب دولت خان جو گورونا نک صاحب جی کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ اس نے بے شمار غوطہ خوروں اور جال ڈالنے والے کے ذریعے سے انتہائی کوشش کی کہ نعش ہی مِل جائے مگر گورونا نک صاحب جی کا کچھ پتا نہ چلا۔ ندی میں غائب ہونے کے تین دن بعد گورونا نک صاحب جی دوبارہ زندہ ظاہر ہو گئے۔ لوگوں کی انتہائی حیرت اور سوالوں کا جواب انھوں نے مکمل خاموشی سے دیا اگلے روز جب انھوں نے زبان کھولی تو پہلا کلمہ زبان سے یہی نکلا ''نا کوئی ہندو نا کوئی مسلمان''۔ سکھ روایت کے بموجب اس دوران گورونا نک صاحب جی خدا کے حضور میں تھے۔ جہاں انھیں براہِ راست خدا تعالیٰ کی طرف سے عشقِ الٰہی کا جام عطا ہوا اور ذکرِ الٰہی کی اشاعت کی ذمہ داری سونپی گئی۔

اس واقعہ کے بعد گورونا نک صاحب جی کی زندگی میں ایک بنیادی انقلاب آ گیا، تمام ذمہ داریوں اور لوگوں سے قطع تعلق کر کے وہ جنگل میں گوشہ نشین ہو گئے اور یادِ الٰہی میں ہمہ تن مشغول رہنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد انھوں نے شہر کا رُخ کیا مگر یہ محض عزیزوں اور دوستوں سے رخصت لینے کے لیے تھا۔ جس کے بعد ان کا ارادہ تمام عالم میں گھوم پھر کر ذکرِ الٰہی کو عام کرنے کا تھا۔ تا کہ جو منصب ان کو باری تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا اس سے عہدہ برآ ہو سکیں۔

گورونا نک صاحب جی کی اُداسیاں (مقدّس مذہبی اسفار):

گورونا نک صاحب جی کی مذہبی سیاحت کا (اُداسیاں) سلسلۂ تین مختصر وقفوں کے ساتھ پچیس سال پر محیط ہے۔ پہلی اُداسی 1497ء سے شروع ہو کر 1521ء تک جاری رہی۔ یہ سفر 12 سال تک جاری رہا وہ مشرقی ہندوستان میں بنگال اور آسام اور واپسی میں اڑیسہ اور وسط ہند سے ہوتے ہوئے راجستھان کے تمام مشہور ہندو مذہبی مقامات پر گئے اور اپنے مسلک کی تبلیغ کی۔ اس سفر سے 1509ء میں واپسی پر انھوں نے کچھ عرصے کے لیے اعزا و اقربا کے ساتھ قیام کیا اور پھر 1510ء کے قریب دوسرے سفر پر جنوب کی طرف روانہ ہو گئے۔ روایتی سوانح عمریوں کے اعتبار سے اس سفر میں وہ سری لنکا تک گئے جہاں ان کے قیام کا ذکر اب تک محفوظ ہے۔ اس سفر سے وہ 1515ء میں واپس لوٹے۔ گورونا نک صاحب جی کا تیسرا نسبتاً مختصر سفر شمال کی طرف تھا جو انھیں کوہ ہمالیہ کے پہاڑی ریاستوں اور کشمیر سے ہوتے ہوئے تبت تک لے گیا۔ شمال کا یہ سفر جو غالباً 1515ء میں ہی کسی وقت شروع ہوا اور 1517ء تک جاری رہا۔ اس کے فوراً بعد ہی وطن میں ایک مختصر سے قیام کے بعد گورونا نک صاحب جی اپنے چوتھے اور آخری سفر پر روانہ ہو گئے۔ اس سفر میں گورونا نک صاحب جی کو سعودی عرب، عراق، ایران، وسط ایشیا تک گئے۔ اُنھوں نے ایک حاجی اور مسلم فقیر جیسا انداز اختیار کر رکھا تھا۔ ان ممالک کی سیر و سیاحت اور مختلف مقامات پر اپنے مخصوص انداز میں تبلیغ و تلقین کرتے ہوئے گورونا نک صاحب جی 1521ء میں واپس پنجاب پہنچے۔

کرتار پور میں سکونت:

گورونا نک صاحب جی کے دوسرے سفر سے واپسی پر ان کے ایک عقیدت مند اجیتا رندھاوا اور کچھ دوسرے کسانوں نے ان کے سسرال سے قریب ہی ایک قطعہ اُراضی ان کی نذر کیا تھا جہاں گورونا نک صاحب جی نے ایک گاؤں کی بنیاد ڈالی۔ اپنے چوتھے سفر سے واپس آ کر گورونا نک صاحب جی نے مستقل قیام کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اپنے آباد کیے ہوئے گاؤں میں جس کا نام انھوں نے ''کرتار پور'' رکھا تھا اپنی مستقل رہائش گاہ بنا کر بس گئے اور اپنے اہل و عیال اور والدین کو بھی انھوں نے وہیں کرتار پور میں بلوا لیا۔ یہاں پہنچنے کے سال بعد

ہی ان کے والدین کا یکے بعد دیگرے مختصر وقفے سے انتقال ہو گیا۔ اپنی گزر بسر کے لیے گورونا نک صاحب جی نے کھیتی باڑی کا پیشہ اختیار کرلیا اور اپنی محنت کی حلال کمائی کی تلقین کے ساتھ ساتھ انھوں نے عملی طور پر اس کا نمونہ بھی پیش کرنا شروع کر دیا۔

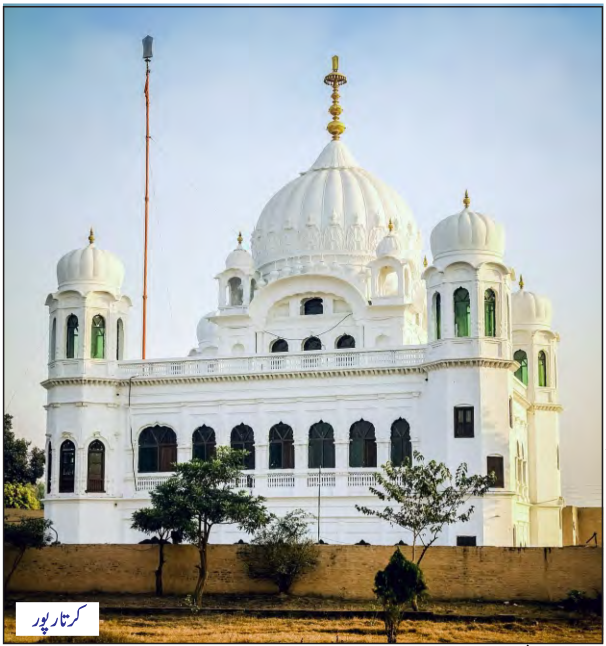

کرتارپور

اپنی عمر کے آخری اٹھارہ برسوں میں گورونا نک صاحب جی کا ایک فقیر اور درویش کا چولا اتار کر بحیثیت ایک گرہست کے کرتاپور میں قیام کیا۔ ان کی عمر کے اس آخری دور میں جب کہ ان کی شہرت بحیثیت ایک بزرگ روحانی شخصیت کے دور دور تک پہنچ چکی تھی ۔ کرتارپور میں ان کا ڈیرہ ایک روحانی مرکز کی حیثیت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ دور ونزدیک سے ان کے معتقدین کرتارپور میں ان کی زیارت اور روحانی تعلیمات سے فیض یاب ہونے کے لیے کھینچے چلے آتے تھے۔ روزانہ صبح شام ’’کیرتن‘‘ (سماع) کی محفل ہوتی تھی جس میں گورونا نک صاحب جی کا پُر اثر کلام پڑھا جاتا تھا جو اپنے عشقِ حقیقی کے جذبات اور بلند اخلاقی تعلیمات سے عوام کے دل و دماغ کو مسخر کر لیتا تھا۔ کھانے کے اوقات میں تمام حاضرین مع اہلِ خانہ ایک اجتماعی لنگر میں بلا تفریق ذات پات اور بلا امتیاز مذہب وملت اکھٹے بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ نئے آنے والے اور پرانے معتقدین یا امیر غریب میں کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا تھا۔ سب کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا تھا۔ دن کا وقت کھیتوں میں محنت کرنے میں گزرجاتا تھا۔ جس سے ایمانداری کی روزی کمانے کا سبق تمام معتقدین کے دل میں نقش ہو گیا تھا۔

گورونا نک صاحب جی کی روحانی حیثیت:

گورونا نک صاحب جی نے اپنی زندگی میں دانستہ کسی مذہبی جماعت کی تنظیم کی کوشش نہیں کی وہ تو عشق الٰہی کے نشہ میں چور روحانی شخصیت تھے، جنھوں نے اپنی طلب وجستجو کے نتیجہ میں خدائے واحد کو پالیا تھا اور جیسا کہ ان کے کلام سے ظاہر ہے وہ تمام عمر اسی کی حمد وثنا اور محبتِ الٰہی کے سفر میں معاون نیکیوں اور خوبیوں کے گن گاتے رہے یہ اور بات ہے کہ ان کے اعلیٰ روحانی مقام اور اخلاق سے متاثر ہو کر ان کے گرد عقیدت مندوں کا ایک وسیع حلقہ قائم ہو گیا تھا۔ ایک چیز جس نے گورونا نک صاحب جی کے سلسلے کو قائم رکھا اور بعد میں سکھوں کی بحیثیت ایک مذہبی جماعت کے ارتقا میں معاون ثابت ہوئی وہ گورونا نک صاحب جی کا اپنی روحانی تعلیم کے تسلسل کو باقی رکھنے کے لیے اپنی زندگی میں ہی ایک جانشین کا انتخاب کرنا تھا۔ اگر گورونا نک صاحب جی یہ انتظام نہ کرتے کہ ان کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ان کے معتقدین کی راہنمائی کے لیے ایک مرکزی شخصیت موجود رہے تو گمان غالب تھا کہ دیگر روحانی شخصیتوں کی طرح یہ اثرات کی زندگی ہی تک محدود رہتے لیکن اپنی زندگی کے آخری ایام میں گورونا نک صاحب جی نے متعدد آزمائشوں کے بعد اپنے ایک مرید لہنا جی کو ’’فنا فی

الشیخ'' کے اعلاترین مقام پر فائز پا کر انگد (اپنی ذات کا جزو) کا خطاب دیا اور اس کو گورو کے منصب سے نوازا۔ سکھ عقیدے کے مطابق گورونانک صاحب جی نے اس ''نور'' کو جوان کے اندر جلوہ گر تھا، گورو انگد جی کے اندر منتقل کر دیا اور اس کو گورو کے مقام پر بٹھا کر خود مرید کی حیثیت سے نذرانہ پیش کیا۔ گورو انگد جی کو اپنا جانشین مقرر کرنے کے کوئی بیس دن کے بعد 22 ستمبر 1539ء کو گورونانک صاحب جی اس دارِ فانی سے جوتی جوتے سما گئے۔

گورونانک صاحب جی کی تعلیمات (بانی):

ان کی تعلیمات میں اہم ترین تعلیم اخوت و مساوات کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کوئی نہ ہندو ہے اور نہ مسلمان، سب بھائی بھائی ہیں، اور ہندو دھرم اور اسلام دونوں افراط اور تفریط سے پاک نہیں ہیں۔ اُنھوں نے انسان اور بت پرستی کی شدید مذمت کی۔ گورونانک صاحب جی کا تصورِ خدا واحد تھا کہ وہ شخصیت کا مالک نہیں ہے وہ صرف صفات کا مالک ہے، وہ اکیلا ہے نا قابلِ تقسیم اور نا قابل فہم ہے۔ زمان و مکان سے آزاد لیکن ہر شے میں سمایا ہوا ہے۔

گورونانک صاحب جی نے ذاتِ باری تعالیٰ کی عظمت اور اس کی تمام صفات کے متعلق جو کچھ کہا ہے کوئی مسلمان اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا۔ وہ ذات پات کے سخت دشمن تھے۔ اس کے نزدیک خدا تعالیٰ کے تمام بندے یکساں ہیں۔ اوہام پرستی، ضعیف الاعتقادی اور رسوم پرستی اس کے نزدیک بالکل لایعنی چیزیں ہیں اور گنگا کے پانی کو پوتر جاننا اور چار دید اور اٹھارہ پران اٹھائے پھرنا بالکل بیکار ہے جب تک معرفتِ الٰہی حاصل نہ ہو جائے۔

زندگی بھر گورونانک صاحب جی نیکی کی دعوت دیتے رہے۔ بدی سے احتراز کا وعظ کرتے رہے۔ ریاکاری، خودغرضی، دنیاداری اور جھوٹ کے خلاف آواز بلند کرتے رہے۔ اُنھوں نے یہ بھی کہا کہ تمام انسانوں کو خدا تعالیٰ کے دربار میں حساب دینا ہوگا اور عملِ نیک کے سوا کسی چیز سے نجات ممکن نہیں ہوگی۔ یعنی گورونانک صاحب جی کے نزدیک جزا و سزا کی شکل بھی وہی ہے جو اسلام کی تعلیم ہے۔ گورونانک صاحب جی نے اپنے کلام میں اکثر مقامات پر رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی مدح و ثنا کی ہے اور قرآن کو چشمہ ہدایت بتایا ہے۔ اِن کو اسلام کے کسی عقیدے سے بھی اختلاف نہیں۔ صوفیہ و اولیا کی صحبت نے ان کو تصوف کا پیکر بنا دیا تھا اور اسی تصوف کے سایہ شفقت میں وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو بھائی بھائی بن کر رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔

1۔ کیرت کمائی (رزقِ حلال):

گورونانک صاحب جی کے نزدیک عشقِ الٰہی کے حصول میں جو چیزیں معاون ہوتی ہیں ان میں سادھو سنگت، نیک صحبت، سیوا، خدمتِ خلق، ایمانداری کی روزی کمانا اور دوسروں کو اس میں شریک کرنا نیز انکسار اور مخلوق سے محبت اور ہمدردی جیسی صفات شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ گورونانک صاحب جی رہبانیت کے سخت مخالف تھے۔ ان کے نزدیک اسی سماج میں رہتے ہوئے اور گھر بار والی زندگی گزار کر خدا کو یاد رکھنا ہی کمالِ زندگی ہے اور اس کی انھوں نے تعلیم دینے کے ساتھ اپنی زندگی سے نمونہ پیش کیا۔

2۔ سیوا:

سِکھ مذہب میں دوسروں کی مدد اور سیوا کرنا رزقِ حلال کمانے کے بعد دوسرا بنیادی نقطہ ہے۔ گورونانک صاحب جی نے اپنی

حیات اور تعلیمات میں اِس کا ذکر سب سے زیادہ کیا ہے۔ گورونا نک صاحب کے مل بانٹ کر کھانے کو اپنے فلسفے میں زیادہ ترجیح دی ہے انھوں نے اپنے ہر سِکھ کو حکم دیا ہے کہ اپنی کیرت کمائی (حلال روزی روٹی میں) اور اپنے کمائی کا دسواں حصہ (دسوندھ) کو لازمی غریب لوگوں میں تقسیم کرے۔ دسوندھ ہر سِکھ کا بنیادی فرض ہے جو سِکھ دسوندھ نہیں نکالتا وہ گورو جی کا مقروض ہے۔ قرض اُتارنے کے بعد ہی نجات ملتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی پہلے قرض اُتار دے یا بعد میں۔ دسوندھ کے بارے میں ایک اور نقطہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ گوردوارے کے گولک (چندہ باکس) میں ہی ڈالے۔ ہر سِکھ کی اپنی مرضی پر جہاں وہ سمجھتا ہے کہ یہاں غربت ہے وہاں وہ خرچ کرسکتا ہے۔

3- توحید اور عشقِ الٰہی:

سلطان پور میں گورونا نک صاحب جی کو مرکزی روحانی تجربہ حاصل ہوا تھا۔ اِن کا سب سے پہلا شعری اظہار مول منتر (بنیادی کلمہ) کی شکل میں ہوا جو گورو گرنتھ صاحب کے تمام کلام میں سب سے مقدّس سمجھا جاتا ہے۔ اس میں گورونا نک صاحب جی کا ذاتِ خداوندی کا تصور نہایت مختصر ایجاز کے ساتھ مگر جامع شکل میں موجود ہے۔ دوسرا اہم مسئلہ اس ذاتِ حق (ست نام) کے تئیں انسان کے رویے کا تھا۔ اپنے مسلکِ عشق کے مطابق گورونا نک صاحب جی نے کسی شریعت کی پابندی اور ظاہری قوانین کی اطاعت کے مقابلے میں تقدیرِ الٰہی پر راضی رہنے اور صوفیانہ اصطلاح میں اندرونی اعتبار سے ''موافقت'' پر زور دیا ہے۔

1- ایک اونکار (خدا ایک ہے۔)
2- ست نام (اس کا نام سچ ہے۔)
3- کرتا پرکھ (وہی فاعل مطلق ہے۔)
4- نربھو (وہ بے خوف ہے۔)
5- نرویر (اس کی کسی سے دشمنی نہیں ہے۔)
6- اکال مورت (وہ ازلی اور ابدی ہے۔)
7- اجونی (وہ بے شکل وصورت ہے۔)
8- سہ بھن (وہ قائم بالذات ہے۔)
9- گورو پرساد (خود اپنی رضا اور توفیق سے حاصل ہوتا ہے۔)

ان کی مراد ایک ذات واحد سے ہے جو سب کا پروردگار ہے، جو نہ کسی سے پیدا ہے اور نہ کوئی اس سے پیدا ہے، اور نہ ہی وہ کسی شکل وصورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ آخری نکتہ جس کو مول منتر میں ''اجونی'' کے ذریعے سے ظاہر کیا گیا ہے اور جو گورونا نک صاحب جی کے کلام میں مختلف شکلوں میں متعدد جگہوں پر موجود ہے۔

4- نفس کی پاکیزگی:

گورونا نک صاحب جی نے نفسانی خرابیوں مثلاً، انانیت (تکبّر)، خواہشات (کام)، لالچ (لوبھ)، دنیا سے تعلق (موہ)، غصہ (کرودھ) وغیرہ کو بھی اپنے کلام کا موضوع بنایا ہے۔ ان کے خیال میں اس طرح کی باطنی بیماریوں سے نجات پائے بغیر عشقِ الٰہی کے راستہ میں آگے بڑھنا مشکل ہے۔

5- ذکرِ الٰہی (سمرن):

گورونا نک صاحب جی نے موانع سے انسان کو بچنے کی تاکید کی ہے اور دوسری طرف اپنے کلام میں مختلف انداز سے ان صفات

اور خوبیوں کو سراہا ہے اور ان کی تلقین کی ہے جو عشقِ الٰہی کے حصول یا اس کی بار آوری میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے بنیادی چیز جو کہ سکھ مذہب کا طریقِ عبادت بھی کہی جا سکتی ہے، ''نام سمرن'' یا ذکرِ الٰہی ہے۔ ذاتِ الٰہی کے لیے گورونانک صاحب جی کی ایک عام اصطلاح ست نام (نامِ حق) کی ہے، یہاں نامِ حق سے مراد ذاتِ حق ہے۔ اسی طرح گورونانک صاحب جی اور دوسرے سکھ گوروؤں کے کلام میں مختلف انداز سے نام کا استعمال ذاتِ الٰہی کے لیے عام ہے اگر چہ دوسری طرف اس کے معنی اسمِ الٰہی کے بھی ہیں۔ گویا گورونانک صاحب جی اور سکھ روایت میں اسمِ الٰہی اور ذاتِ الٰہی ایک ہو گئے ہیں۔ صبح نہار منہ اٹھ کر نہا دھو کر گورو گرنتھ صاحب میں سے منتخب کلام پڑھنا اور یکسو ہو کر کچھ دیر یادِ الٰہی میں غرق رہنا سکھ مذہب میں اہم ہے۔ سکھ ''نام سمرن'' کے لیے ایک چھوٹی تسبیح کا استعمال بھی کرتے ہیں جس پر بار بار مختلف اسمائے دہرائے جاتے ہیں۔ بہرحال ''نام سمرن'' کا سب سے اہم اور مفید طریقہ ''کیرتن'' کی شکل ہے جہاں با جماعت گربانی گورو گرنتھ صاحب میں جمع شدہ کلام کا ورد ہوتا ہے۔

سِکھ مذہب کے گُورو صاحبان

گُورو سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی اندھیرے میں روشنی پھیلانے والے کے ہیں، گویا گُورو کسی فرد کے مَن سے جہالت کے اندھیرے دور کرتا ہے۔ عشقِ الٰہی کے حصول اور خدا تک پہنچنے کے لیے ایک راہنما کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کی راہنمائی اور تعلیم ہی خدا تک رسائی کا وسیلہ بنتی ہے اس لیے سِکھ مذہب میں گُورو کی ضرورت اور اہمیت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ سِکھ مذہب میں گُورونانک صاحب جی پہلے گُورو تھے۔ گورونانک صاحب جی کی تعلیمات کا ایک اور جزو جس نے سکھ روایت کی نشوونما میں نمایاں کردار ادا کیا وہ ''گورو'' کا تصور ہے۔ عرفانِ الٰہی کی متصوفانہ روایت میں یہ تصور گورونانک صاحب جی کے پہلے سے چلا آ رہا تھا کہ عشقِ الٰہی کے حصول اور خدا تک پہنچنے کے لیے ایک پہنچے ہوئے پیرو مرشد سے رابطہ ضروری ہے۔ جس کی راہنمائی اور تعلیم خدا تک پہنچنے کا وسیلہ ثابت ہو گی۔ گورونانک صاحب جی نے خود عرفانِ الٰہی اپنی جستجو و طلب اور اپنے عقیدے کے مطابق توفیقِ الٰہی کے فیض سے حاصل کیا تھا۔ چناں چہ ان کے کلام میں خدا تعالیٰ کے لیے گردست گورو (سچا گورو) کی اصطلاح بہت عام ہے جس نے حقیقت تک ان کی راہنمائی کی۔ بعد کے دوسرے سکھ گورو صاحبان کے کلام میں بھی گورو کی اصطلاح خدا تعالیٰ کے لیے اکثر استعمال ہوئی ہے۔ کیونکہ بہرحال بغیر خدا کی رضا اور اس کے فضل کے کوئی اس تک نہیں پہنچ سکتا لیکن دنیوی سطح پر اِنسانی گورو بھی اپنی اہمیت رکھتا ہے۔ گورونانک صاحب جی اور دوسرے سکھ گوروؤں نے بار بار خدا تک پہنچنے کے سلسلے میں گورو کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ گورو ہی وہ وسیلہ ہے جس کے ذریعے پیغامِ الٰہی بندوں تک پہنچتا ہے اور وہی وسیلہ ہے جو بندوں کو خدا تک پہنچاتا ہے۔ اس سلسلے میں اس قدر اشعار گورونانک صاحب جی اور دوسرے گورو صاحبان کے موجود ہیں اور یہ عقیدہ سکھوں میں اس قدر مستحکم ہے کہ اس کے لیے کسی حوالہ کی ضرورت نہیں ہے۔ سِکھ مذہب کے دیگر دس گُورو صاحبان مندرجہ ذیل ہیں:۔

سکھ مذہب کا آغاز 1469ء میں ہوا۔ اس مذہب کے بانی بابا گورونانک صاحب جی نے اپنے روحانی تجربے اور برسوں کی ریاضت کے بعد اپنی تعلیمات کو سادہ انداز میں پیش کیا۔ ان کے بعد آنے والے سکھ گوروؤں نے اس مذہب کو ایک منظّم تحریک کی شکل دی اور آخری گورو، گورو گوبند سنگھ جی نے یہ طے کر دیا، کہ ان کے بعد مذہبی کتاب ''گورو گُرنتھ صاحب'' کو گورو کا درجہ حاصل رہے گا اور ہمیشہ اسی سے رہنمائی لی جاتی رہے گی۔ چناں چہ اب گرنتھ صاحب گورو ہیں اور انھیں زندہ پاتشاہ کا درجہ حاصل ہے۔

سکھ مذہب کی تاریخ سے واضح ہوتا ہے کہ بابا گورونانک صاحب جی نے سکھوں کو ایک جماعت کی شکل دینے کی کوشش نہیں کی، البتہ ان کی شخصیت اور تعلیمات کے اثرات سب سے زیادہ مرتب ہوئے۔ وہ نہ صرف سکھ مذہب کے بانی ہیں، بلکہ انھیں ہمیشہ کے لیے اس میں مرکزی اہمیت حاصل رہے گی۔

گُوروانگد صاحب جی (لہنا بھائی):

گوروانگد صاحب جی

گوروانگد صاحب جی 1504ء میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک درگاہ کے پجاری تھے اور ہر سال بھگتوں کا گروہ لے کر جوالامکھی کے مقام پر دیوی کے مندر جایا کرتے تھے۔ وہاں ایک دفعہ وہ گُورونانک صاحب دیو جی کے پیروکار جودھا بھائی سے متاثر ہوئے اور اس کے بعد گُورونانک صاحب جی سے ملاقات کی۔ اس وقت ان کی عمر 28 سال تھی پھر عمر بھر کے لیے وہیں کے ہو رہے۔ گُورونانک صاحب جی کے عہد میں انھوں نے لنگر کا کام سنبھال لیا تھا۔ گُورونانک صاحب جی نے وفات سے بیس دن پہلے انھیں جانشین بنایا تھا۔ گُورونانک صاحب جی کی بیوی نے اصرار کیا کہ بیٹے کو جانشین بنائیں لیکن گُورونانک صاحب دیو جی نے چند آزمائشوں میں ثابت قدم دیکھ کر گوروانگد جی کو گُوروا ور جانشین مقرر کر دیا۔ گُوروانگد جی نے نہ صرف کیرتن اور لنگر کی روایت کو جاری رکھا بلکہ اس میں توسیع بھی کی۔

گوروانگد صاحب جی نے دو ایسے کام کیے جن سے سِکھ جماعت کے نظم میں استحکام آیا۔ ایک یہ کہ انھوں نے گورمکھی رسم الخط کو ترتیب دیا اور دوسرا یہ کہ گُورونانک صاحب جی کی سوانحِ عمری مرتب کرائی جس میں ان کی تعلیمات کا خلاصہ بھی شامل کیا گیا۔ اسی طرح انھوں نے ادارہ سنگت قائم کیا، جہاں لوگ عبادت، دوستی اور بھائی چارے کے لیے مل بیٹھتے تھے۔ یہی ادارہ آگے چل کر گُورودوارے کی بنیاد بنا۔ گُوروانگد صاحب جی نے مساوات، رواداری اور احترام آدمیت کا رویہ اپنایا اور کسی مذہب پر تنقید نہ کی۔ ان کے 62 اشلوک گُوروگرنتھ صاحب میں شامل ہیں۔ وہ یکم اپریل 1552ء کو جوتی جوت سمائے۔ جوتی جوت سمانے سے ایک ہفتہ پہلے انھوں نے گُوروامر داس جی کو گورو نامزد کیا۔

گُوروامرداس جی:

گُوروامرداس 1479ء میں امرت سر کے قریب ایک گاؤں باسر کے میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق ایک کٹر مذہبی گھرانے سے تھا۔ وہ گُورونانک صاحب جی کی ایک حمد سن کر متاثر ہوئے اور ان کے پیروکار بن گئے۔ ان کا بڑا کام سِکھوں کو منظم کرنا تھا۔ گُوروامرداس جی ہی نے دوسرا اہم کام یہ کیا کہ شہنشاہ اکبر سے تعلقات بڑھا کر عوامی کام بلا تفریق مذہب و ملت سرانجام دیے۔ مثلاً کبھی مال گزاری معاف

گورو امرداس جی

کرادی، کبھی ہندو تیرتھ پر ٹیکس معاف کرالیا، گوندوال میں باؤلی تعمیر کرادی وغیرہ۔ ان رفاہی کاموں کی وجہ سے انھیں مقبولیت حاصل ہوئی۔ انھوں نے گُورو گرنتھ صاحب میں مذہبی دعاؤں کا اضافہ کیا۔ گُورو امرداس جی یکم ستمبر 1574ء کو جوتی جوت سمائے۔ جوتی جوت سمانے سے قبل انھوں نے گورورام داس جی کو گُورو نامزد کیا۔

گُوروُرام داس صاحب جی:

گوروُرام داس صاحب جی

گُوروُرام داس جی کا نام بھائی جیٹھا تھا۔ آپ لاہور میں 1534ء میں پیدا ہوئے۔ آپ 1574ء سے 581ء تک گُورو رہے۔ گُوروُرام داس جی سے قبل گُرو امرداس جی نے مذہبی تہوار مناتے وقت انھیں ہندو تہواروں سے الگ کرلیا تھا۔ اب گُوروُرام داس جی نے شادی بیاہ اور مرنے کی رسومات بھی الگ مقرر کردیں۔ ستی کی رسم کی بھی مخالفت کی اور اِسے ختم کردیا۔ گُوروُرام داس جی نے امرت سر شہر بسایا اور وہاں تالاب (سرووَر) بنوایا۔ وہیں بعد میں گولڈن ٹمپل گُورودوارہ بنا اور سِکھ گورو امرت سر میں رہنے لگے۔ انھوں نے گُورو نانک صاحب جی کی تعلیمات کو عام کیا۔ آپ 28 ستمبر 1581ء کو جوتی جوت سمائے۔

گُورواُرجن صاحب جی:

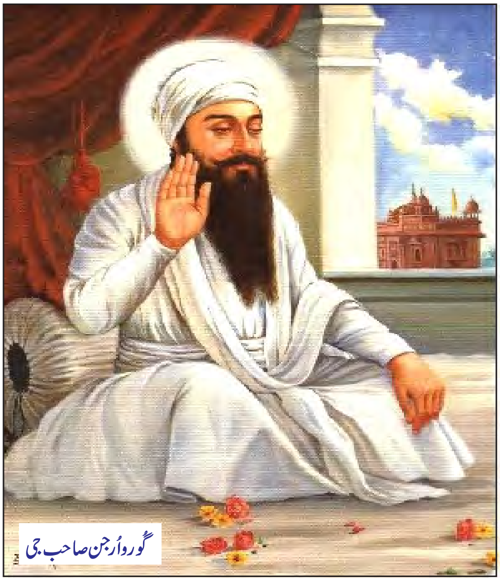

گُورواُرجن صاحب جی

پانچویں گُورواُرجن جی، گُوروُرام داس صاحب جی کے بیٹے تھے۔ آپ 15 ستمبر 1563ء کو گووِندوال میں پیدا ہوئے۔ انھیں 18 سال کی عمر میں گُورو نامزد کیا گیا۔ گُوروُرام داس صاحب جی ان کے والد اور گُورو امرداس صاحب جی ان کے نانا تھے۔ وہ اعلیٰ پائے کے شاعر اور لائق فائق انسان تھے۔ سِکھ جماعت کو منظم کرنے میں ان کا کردار نمایاں رہا۔ گُورو نانک صاحب جی نے اپنی سیاحت کے دوران صوفیوں اور بھگتوں کا کلام اکٹھا کیا تھا۔ گُورو ارجن صاحب جی نے گُورو نانک صاحب جی اور ان کے بعد کے گُروؤں کا کلام جمع کر کے گُورو گرنتھ صاحب کو آخری شکل دی۔ اب اُنھیں سِکھ مذہب میں گیارھویں زندہ گروہ کی حیثیت حاصل ہے۔

گُوروارُجن صاحب جی نے امرت سر (شہر) میں مرکزی عبادت گاہ ''ہری مندر صاحب''، تعمیر کرائی۔ جسے اب گولڈن ٹمپل کہتے ہیں۔ یہاں سِکھ گوروؤں کی رہائش گاہ بھی بنوائی۔ اس لیے اس جگہ کو ''دربار صاحب'' کا نام دیا گیا ہے۔ جہاں کوئی بھی گُوروصاحب رہائش پذیر ہوتے تھے یا کہیں بھی گُوروگرنتھ صاحب کا پاٹھ ہوتا ہے اسے دربار صاحب کہا جاتا ہے۔ مالی طور پر تنظیم کو مضبوط بنانے کے لیے گُوروارُجن صاحب جی نے سِکھوں کے لیے عشر (دسونتھ) متعارف کروایا۔ اس سے پہلے راہِ عامہ کے کام اور لنگر صرف نذرانوں سے چلتے تھے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ سِکھوں کی رفاہی تنظیم معاشی طور پر مضبوط ہوگئی۔ گُوروارُجن صاحب جی نے دریائے راوی اور دریائے بیاس کے درمیان تین شہر ترن تارن، کرتار پور اور ہرگوبند پور بسائے۔ شہنشاہ جہانگیر کے دور میں اس کا بیٹا خُسرو باغی ہوکر پنجاب آگیا اور گوروارُجن جی سے مدد چاہی۔ گُورو نے اس کی مالی مدد کی۔ لاہور کے گورنر چندومَل نے ایک سازش کے تحت گوروجی کو لاہور میں قید کر کے شہید کرادیا۔ اس سے سِکھوں اور مغلوں کے تعلقات خراب ہوگئے اور ان میں فاصلے بڑھتے گئے اور آگے چل کر یہ فاصلے زیادہ ہوگئے۔ گُوروجی کو 16 مئی 1606ء کو شہید کیا گیا۔ انھیں ''لاثانی شہید'' یا ''شہیدوں کا سرتاج'' بھی کہا جاتا ہے۔

گُوروہرگوبند صاحب جی:

گوروہرگوبند صاحب جی

گُوروہرگوبند سِنگھ جی 19 جون 1595ء کو پیدا ہوئے۔ سِکھ جماعت کے لیے یہ ایک مشکل دور تھا۔ مغل دورِ مخالفت کا زمانہ تھا۔ گُوروجی نے ظلم کے خلاف ہتھیار اٹھائے۔ ان کی زندگی جنگی تیاریوں میں بسر ہوئی۔ انھوں نے تمام پیروکاروں کو ہروقت چوکس رہنے کا حکم دیا۔ انھیں عمدہ نسل کے گھوڑے پالنے کا شوق تھا۔ انھوں نے پنجاب کے گورنر کے خلاف جنگیں لڑیں۔ پانچ سال تک ان کے تعلقات مغل شہنشاہ جہانگیر سے خوشگوار بھی رہے۔ بعد میں انھیں گوالیار کے قلعہ میں بند کر دیا گیا۔ گوروہرگوبند صاحب جی 1645ء میں جوتی جوت سمائے۔

گُوروہررائے صاحب جی:

گوروہررائے صاحب جی

گُوروہررائے صاحب جی 16 جنوری 1630ء کو پیدا ہوئے۔ تیرہ سال کی عمر میں ان کے دادا گُوروہرگوبند صاحب جی نے انھیں گُورونامزد کیا۔ مزاجاً وہ نرم خو اور صلح پسند انسان تھے۔ انھوں نے مغلوں کے خلاف کوئی فوجی کارروائی نہ کی۔ البتہ داراشکوہ کو بچانے میں اس کی مدد کی۔ انھیں شکست ہوئی۔ دہلی طلب کیے گئے اور وہیں 3 مئی 1644ء کو جوتی جوت سمائے۔

گُوروکرِشن صاحب جی:

گُوروکرِشن صاحب جی 17 جولائی 1756ء کو پیدا ہوئے۔ انھیں پانچ سال کی عمر میں گُورونامزد کیا گیا۔ اس وقت دہلی میں

گورو کرِشن صاحب جی

چیچک کی وبا پھیلی ہوئی تھی اور روزانہ ہزاروں افراد مر رہے تھے ۔ گُورو کرِشن صاحب جی کو خدائے برتر نے چیچک کے علاج کی صلاحیت عطا کر رکھی تھی۔اس لیے انھوں نے دہلی میں بے شمار چیچک کے مریضوں کا علاج کیا۔ اہل دہلی تو چیچک کے مرض سے شفایاب ہوئے لیکن گُورو جی چیچک کے مرض سے جوتی جوت سمائے ۔ انھوں نے سات سال،سات ماہ اور 23 دن عمر پائی۔

گُورو تیغ بہادر صاحب جی:

گُورو تیغ بہادر صاحب جی

آپ 1621ء کو امرت سر میں پیدا ہوئے۔آپ چھٹے گُورو، گُورو ہر گوبند جی کے بیٹے تھے۔صوفی مَنَش انسان تھے۔وہ دس سال تک گُورو رہے۔اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں دہلی میں چاندنی چوک میں انھیں شہید کر دیا گیا۔ یہ الم ناک واقعہ تھا جس نے سِکھ قوم کے جذبات میں ہلچل مچادی۔ان کے بعد ان کا بیٹا گورو بنا۔

گورو گوبند سِنگھ صاحب جی:

گورو گوبند سنگھ صاحب جی

گُورو گوبند سِنگھ صاحب جی اپنے والد کی شہادت کے بعد گُورو بنے۔انھوں نے سِکھ مذہب میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔بقول ایک مصنف کے انھوں نے ''سِکھ شریعت اور سِکھ روایت کے مخصوص کردار کی تشکیل کا اہم کام سرانجام دیا''۔وہ اچھے شاعر، گھڑسوار، ایک جرأت منداور بہادر انسان تھے۔ایک مثالی ہیرو کی خصوصیات ان میں پائی جاتی تھیں۔انھوں نے بتیس سال تک ہمالیہ کے پہاڑی سلسلے میں اپنا ٹھکانہ بنائے رکھا اور حکومت سے بدلہ لینے کے لیے بھر پور تیاری کرتے رہے انھوں نے سِکھوں کو فوجی تربیت دی اور سِکھ قوم کو جنگجو بنا دیا۔انھوں نے انند پور میں ہزاروں عقیدت مندوں کو جمع کیا اور امرت چکھا کر خاص مرید بنایا جو''خالصہ'' کہلائے۔انھیں پہاڑی ریاستوں کے راجوں سے 19 جنگیں لڑنا پڑیں، زندگی کے آخری سالوں میں وہ ایک مسلمان ریاست حیدرآباد دکن میں چلے گئے اور باقی زندگی وہیں گزاری۔اُنھوں نے ہر سِکھ کے نام کے ساتھ''سنگھ''، اور عورت کے نام کے آخر میں ''کور'' کا اضافہ لازمی قرار دیا۔انھوں نے سِکھوں کے لیے پانچ چیزیں لازم قرار دیں جو کاف سے''ک'' سے شروع ہوتی ہے۔کچھا، کیس، کنگھا، کڑا اور کرپان۔سِکھ قومیت کے لیے ان کی خدمات کی وجہ سے آگے چل کر پنجاب میں سِکھوں کو اقتدار ملا۔اپنے جوتی جوت سمانے سے پہلے گُورو گدی گُورو گرنتھ صاحب کو سونپی اور کہہ گئے کہ اب میرے بعد سِکھ مذہب کا کوئی گُورو نہ ہوگا۔

گُوروگرنتھ صاحب جی:

گُوروگرنتھ صاحب جی، سِکھوں کی مقدّس کتاب ہے۔ اُنھیں گُورو اِس لیے کہا جاتا ہے کیوں کہ سِکھوں کے دسویں گُورو، گورورگوبند سِنگھ جی نے کسی سِکھ کو گُورونامزد کرنے کی بجائے کہہ دیا تھا کہ آئندہ راہنمائی گُوروگرنتھ صاحب سے حاصل کی جائے یہی ہمیشہ کے لیے آپ کا گُورو ہے۔اس میں گُورونانک صاحب جی کے علاوہ گُوروانگد صاحب جی، گُوروامرداس صاحب جی، گُورورام داس صاحب جی، گُوروارجن صاحب جی اور گُوروتیغ بہادر صاحب جی کی بانیاں شامل ہیں۔اس کے علاوہ بابافریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اور بھگت کبیر سمیت بہت سے صوفیہ اور بھگتوں کا کلام بھی شامل ہے۔ گُوروگرنتھ صاحب کو گورمُکھی (پنجابی) رسم الخط میں لکھا گیا ہے جس میں پنجابی، سندھی، مراٹھی، برج بھاشا، ہندی، سنسکرت، عربی، فارسی، بنگالی اور تامل زبانوں کے الفاظ شامل ہیں۔اس لیے اسے (مشرقی) ''زبانوں کا خزانہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ یہ سِکھ مذہب کے پیروکاروں لیے راہنما اور روحانی سرچشمہ ہے۔سِکھ اسے زندہ بادشاہ مانتے ہیں۔ اگرچہ ان سکھوں گوروؤں کے عہد میں سکھوں کو سیاسی اقتدار نہ مل سکا،لیکن یہ انھی کی کاوشوں کا نتیجہ تھا کہ آگے چل کر مہاراجا رنجیت سنگھ جی نے ایک مضبوط حکومت قائم کی۔اب سکھ مذہب کے پیروکار ہندوستان کے مشرقی پنجاب اور صوبہ ہریانہ میں اہم اور فیصلہ کن سیاسی قوت ہیں اور برصغیر کے علاوہ برطانیہ، امریکہ، کینیڈا، جرمنی، دبئی اور دیگر ممالک میں بھی آباد ہیں۔ پاکستان میں بھی سِکھ برادری ایک بڑی تعداد میں لاہور، ننکانہ صاحب، پشاور وغیرہ میں آباد ہیں۔

صبح سویرے اُٹھ کر اشنان کے بعد گوروگرنتھ صاحب سے پانچ بانیوں کا پاٹھ کرتے ہیں۔اور یک سُوہوکر یادِالٰہی میں محو رہتے ہیں اسی طرح کیرتن بھی عبادت ہے۔اس میں موسیقی کے ساتھ گُربانی پڑھی جاتی ہے۔عبادت گاہ کو''گورودوارہ'' کہتے ہیں بلکہ جہاں بھی گورو گرنتھ صاحب موجود ہو وہ جگہ بے حد متبرک تصور کی جاتی ہے۔گوروگرنتھ صاحب جس کمرے میں ہوں، اسے گرمیوں میں ائیرکنڈیشنر لگا کر یا پنکھے کے ذریعے سے ٹھنڈا رکھا جاتا ہے اور سردیوں میں کمرہ گرم رکھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔وہاں کمبل اور خوب صورت رومالوں کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔سکھ مذہب کے تہوار بھی عبادت کا ذریعہ ہیں۔لنگر کا اہتمام بھی دراصل عبادت کا حصہ ہے،جس میں مذہب وملت کے امتیاز کے بغیر ہر ایک شخص کو کھانا فراہم کیا جاتا ہے۔

سکھ مذہب میں رسومات کو زیادہ دخل نہیں۔ بچے کی پیدائش پر خوشی کا اظہار کیا جا تا ہے۔ بچے کی پیدائش کے بعد جب گوروگرنتھ صاحب کا پاٹھ ہوتا ہے تو گیانی صاحب گوروگُرنتھ صاحب کے حکم نامے کے پہلے ایک یا دو حروف سے بچے کا نام رکھ دیتے ہیں۔

سکھ مذہب میں موت اور آخرت پر یقین ہے۔موت کے بعد سکھ مذہب میں مُردے کو اشنان دیتے اور کفن پہناتے ہیں۔ارداس (دعا) کے بعد مردے کو سمرن کرتے ہوئے شمشان گھاٹ لے جایا جاتا ہے اور یہیں پر اس کا ''سنسکار'' کیا جاتا ہے۔بعدازاں سُکھ منی صاحب کا پاٹھ کیا جاتا ہے اور اَردس کے بعد سنگت گوردوارے میں سرا کھنڈ پاٹھ ارنبھ کیا جاتا ہے جو اڑتالیس گھنٹوں تک مسلسل جاری رہنے کے بعد سماپت ہونے کے بعد سنگتوں کے یا لنگر کا بندوبست کیا جاتا ہے۔

سِکھ مذہب کے چند تہوار

1۔ وساکھی (خالصہ ساجنا دِیوس):

''وساکھی''ایک اہم موسمی تہوار ہے جو بڑے جوش وخروش سے منایا جاتا ہے۔خاص طور پر پنجاب میں ربیع کی فصل کاٹنے کے موقع پر کسان یہ دن بھنگڑا ڈال کر خوشی سے شروع کرتے ہیں۔وساکھی کا تہوار ہر سال یکم وساکھ کو منایا جاتا ہے۔پنجاب کے کسان رب کا شکر ادا کرتے ہیں اور آنے والی فصل کی بہتری کے لیے دعا کرتے ہیں۔وساکھی کا تصور مذہبی لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔دسویں گوروگوبند سنگھ صاحب نے 1699ء میں اپنے والد کی شہادت کے بعد سکھوں میں نیا جذبہ پیدا کرنے کے لیے اعلان کیا کہ وہ وساکھی منانے کے لیے 30 مارچ 1699ء میں کیس گڑھ سے انندپور صاحب آئیں گے۔گوروگوبند سنگھ صاحب کا عقیدہ تھا کہ ہر اچھا کارنامہ کسی بڑی قربانی کا نتیجہ ہوتا ہے۔جو شخص بھی قربانی کے لیے تیار ہے اسے آگے بڑھنا چاہیے۔وساکھی کا تہوار، وساکھ کی پہلی تاریخ (تیرہ یا چودہ اپریل) کو منایا جاتا ہے۔اس دن کھیتوں میں ایک میلہ لگتا ہے اور یہ دن بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔خاص طور پر سکھ اس دن کو بڑے جوش وخروش سے مناتے ہیں۔اس سلسلہ میں اُن کی عبادت گاہوں میں بڑی سرگرمیاں دیکھنے میں آتی ہیں۔صبح اٹھ کر لوگ نہاتے ہیں اور اپنے نزدیکی عبادت گاہوں میں جاتے ہیں۔خصوصی دعائیں مانگتے ہیں۔بعد میں پرشاد تقسیم کرتے ہیں۔عبادت گاہوں پر جھنڈا لہرایا جاتا ہے۔سکھ وساکھی کا جلوس بھی نکالتے ہیں۔اس دوران محبت بھرے گیت گائے جاتے ہیں۔بھنگڑا اور گدا ڈالا جاتا ہے۔سکھ نئے نئے کپڑے پہن کر خوشی سے ناچتے ہیں۔کئی دیہاتوں میں میلے بھی لگتے ہیں جہاں لوگ اکٹھے ہو کر خوشی مناتے ہیں۔کشتیوں فنون سپہ گری، موسیقی، شاعری اور لوک گیتوں کے مقابلے ہوتے ہیں۔

سکھوں کے پنج پیارے اس میں حصہ لیتے ہیں۔اس تقریب کے دوران گیت گائے جاتے ہیں۔دن کے آخر میں ایک جلوس نکالا جاتا ہے۔جس میں پنج پیارے آگے آگے چلتے ہیں۔اس دوران بھنگڑا اور گدا ڈالا جاتا ہے۔جس سے لوگ لطف اندوز ہوتے ہیں۔اس تہوار پر آتش بازی بھی ہوتی ہے۔شام کو لوگوں میں لنگر تقسیم کیا جاتا ہے۔

2۔ گورونانک صاحب جی کا گوروپُرب (جنم دن):

سکھ اپنے مذہب کے بانی گورونانک صاحب جی کا جنم دن بہت عقیدت سے مناتے ہیں۔ گورونانک صاحب جی ''کاتک مہینے'' میں پورنماشی (پورے چاند) کی رات رائے بھوئے کی تلونڈی میں پیدا ہوئے تھے جو لاہور سے ۹۰ کلومیٹر جنوب مغرب کی طرف واقع ہے۔ اب اسے ننکانہ صاحب کہتے ہیں۔ جنم دن کی تقریبات مذہبی نوعیت کی ہوتی ہیں۔ اس لیے ان کا انداز میلوں ٹھیلوں جیسا نہیں ہوتا بلکہ ان میں 24 گھنٹے گوروگرنتھ صاحب جی کا مسلسل پاٹ کیا جاتا ہے جسے (اکھنڈ پاٹ) کہتے ہیں۔ چاند کی بارھویں اور تیرھویں رات میں گوروگرنتھ صاحب کا پاٹ کیا جاتا ہے جسے اکھنڈ پاٹ کہتے ہیں اس تقریب میں لنگر کا انتظام کیا جاتا ہے اور سب مل کر کھاتے ہیں۔ جنم دن کی خوشی میں آتش بازی بھی کی جاتی ہے اور ''اک اونکار'' کی شکل میں چراغاں کیا جاتا ہے۔

3۔ شہیدی پُرب گوروارجن صاحب جی:

گوروارجن صاحب جی شہیدی پُرب جون کے آخر میں دُنیا بھر سے سِکھ مناتے ہیں۔ سِکھوں میں شہیدی پُرب کے دِنوں میں شبیل اور لنگر لگا کر دوسروں کو کھلا کر سِکھ اپنا شہیدی دِن مناتے ہیں۔

☆☆☆☆

مشق

(الف) مفصل جواب لکھیں۔

1۔ گُورونانک صاحب جی کے حالاتِ زندگی تفصیل سے بیان کیجیے۔

2۔ گُورونانک صاحب جی کی تعلیمات کیا ہیں؟ تفصیل سے بیان کریں۔

3۔ سِکھ مذہب کے کتنے گُورو ہیں؟ کسی پانچ کے بارے میں تفصیل سے بیان کریں۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ سکھ مذہب کے ماننے والے اب کس گُورو سے راہنمائی لیتے ہیں؟

2۔ امرت سر شہر کی بنیاد کس گورو جی نے رکھی؟

3۔ گُورونانک کی چار اداسیاں کون کون سی ہیں؟

4۔ سِکھ مذہب عورت اور مرد کے نام کا لاحقہ کیا ہے؟

5۔ گُوروگرنتھ صاحب کو زندہ گُورو کیوں کہا جاتا ہے؟

6۔ سکھ مذہب میں موت کے بعد آخری رسومات کیسے ادا کی جاتی ہیں؟

7۔ گُوروگوبند سنگھ جی نے سِکھ مذہب میں کیا کیا تبدیلی کی؟

8۔ بابا گُورونانک صاحب جی کی زندگی میں کیسے انقلاب آیا؟

(ج) دُرست جواب کی نشان دہی کیجئے۔

1۔ سکھ مذہب کا آغاز ------------------ نے کیا۔

(ا) بابا گُورونانک صاحب جی (ب) گُوروہرگوبند جی (ج) گُوروگوبند سنگھ صاحب جی (د) گُوروانگد صاحب جی

2۔ سِکھ مذہب نے ----------- رسم کی مخالفت کی۔

(ا) ستی کی (ب) لنگر کی (ج) سفر کی (د) ا،ب،ج

3۔ سکھوں کا --------------- سے الگ تشخص قائم ہوا۔

(ا) پانچ کاف (ب) نام کے لاحقے (ج) الگ رسم ورواج (د) ا،ب،ج

4۔ سکھ مذہب میں -------------- پر زور دیا گیا۔

(ا) عقیدۂ توحید (ب) رسم ورواج (ج) پیدائش اور مرنے کی رسوم (د) ا،ب،ج

5۔ گوروگرنتھ صاحب کو سکھ مذہب میں ------------------ کا درجہ حاصل ہے۔

(ا) یادِ الٰہی (ب) عبادت کے محور (ج) زندہ گُورو (د) ا،ب،ج

6۔ سِکھ صبح سویرے اُٹھ کر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کرتے ہیں۔

(ا) کام کاج (ب) اشنان (ج) اشنان اور گُورو گرنتھ کا پاٹ (د) ا، ب، ج

(د) خالی جگہ پُر کریں۔

1۔ سکھ مذہب کے دوسرے گُورو کا نام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

2۔ سکھ مذہب کے عقائد میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

3۔ یادِ الٰہی کو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کہا جاتا ہے

4۔ گُورو کرشن جی کو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کی عمر میں گُورو بنایا گیا۔

5۔ کیرتن بھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کا ایک حصہ ہے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1۔ سکھ مذہب کی اہم عبادت گاہوں کی تصاویر کا البم بنائیں۔

2۔ سکھ گُوروؤں کے نام لکھ کر کمرۂ جماعت میں نمایاں جگہ پر لگائیں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ ممکن ہو تو کسی سکھ راہنما سے طلبہ کو کا انٹرویو کرائیں۔

2۔ سکھ مذہب نے اپنے پیروکاروں پر جو اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس سے سکھوں میں جو خوبیاں پیدا ہوئی ہیں ان سے طلبہ کو آگاہ کریں۔

☆☆☆☆

باب
3

اخلاقی اقدار

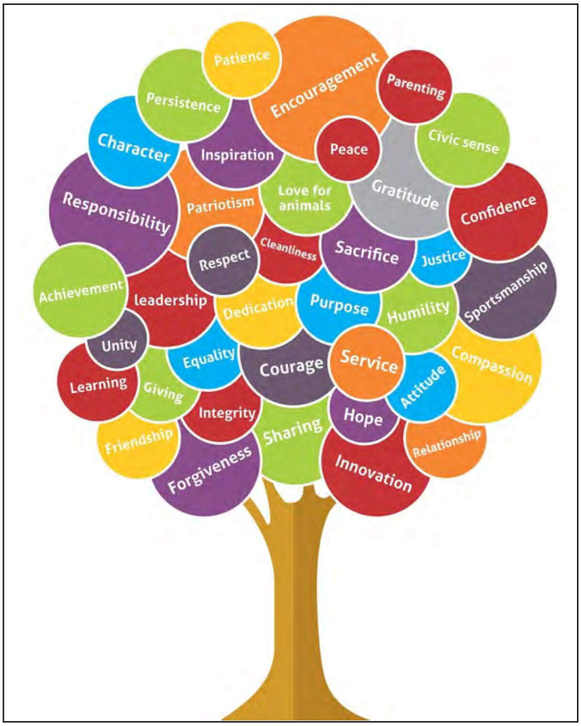

تاریخ کے مختلف اَدوار کا جائزہ لیں یا افراد، اقوام اور ممالک کے باہمی تنازعات، جھگڑوں اور چپقلش کی وجوہات پر غور کریں، تو یہ حقائق سامنے آتے ہیں کہ انسانی تعصّبات ان سارے فسادات کی جڑ ہیں۔ انسان نے رنگ، نسل، زبان اور قومیت کی بنیاد پر اتنے فتنے کھڑے کیے ہیں کہ چاند پر کمندیں ڈالنے اور ترقی کی انتہا تک پہنچنے کے باوجود انسانیت کے دکھوں میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ امیر اور غریب کے لیے انصاف کے پیمانے الگ الگ ہونے سے اجتماعی عدل اور انسانی مساوات کے تصورات کو نقصان پہنچا ہے۔ عدل و مساوات کے قیام کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ افراد، اقوام اور بین الاقوامی ادارے اخلاقیات سے انحراف کیوں کرتے ہیں یعنی اس سنگین ناانصافی کی جڑیں کہاں کہاں ہیں، تاکہ ان کا قلع قمع کیا جا سکے۔

دُنیا بھر کے عدل پسند لوگ یہ جانتے ہیں، کہ انسان انا پرست ہے اور تعصب کہیں نہ کہیں اس کے ضمیر میں موجود ہے۔ تعلیم کے عام ہونے ترقی کی معراج پا لینے اور چاند پر کمندیں ڈالنے کے باوجود زیادہ باوسائل قومیں اب بھی انصاف کے تقاضوں اور مساوات کے ضابطوں کو پامال کرتی نظر آتی ہیں۔ بڑے بڑے بین الاقوامی ادارے عدل قائم کرنے میں ناکام ہیں اور آج بھی انسان عدل وانصاف کے حصول کو ترس رہا ہے۔ ان تمام دُکھوں کا مداوا اخلاقی اقدار کو صدقِ دل سے قبول کرنے، اور ان پر عمل کرنے میں مضمر ہے۔ عموی تعلیم کے ساتھ ساتھ اخلاقی تعلیم کا دائرہ وسیع کیا جائے۔

☆ وسائل کے حصول اور استعمال میں اقوامِ عالم اخلاقیات سے بالاتر نہ ہوں۔

☆ طمع، لالچ اور آسودگی میں انسان اس قدر کھو گیا ہے، بلکہ اخلاقیات کی زبان میں لذت کے حصول کے نظریے کو اپنا کر خدائے بزرگ و برتر سے رشتہ توڑ بیٹھا ہے۔ اب وہ صرف اپنی ذات یا خاندان کے لیے جیتا ہے۔ ضروری ہے کہ اخلاقی دباؤ بڑھا کر اسے قائل کیا جائے، کہ صرف اپنی ذات کے لیے جینا انسانیت کا معیار نہیں۔

☆ لوگ اُلفت و محبت، یگانگت اور انسانیت کے درد سے ناآشنا ہو رہے ہیں اور تکلیف دہ بات یہ ہے کہ احساسِ زیاں بھی نہیں ہے۔ اس سنگ دلی سے نجات اور انسانی دکھوں کے مداوے کے لیے ضروری ہے کہ اخلاقی تعلیمات کو عام کیا جائے۔

اجتماعی عدل ومساوات:

ریاست کا مقصد کسی شخص یا قوم کا اقتدار قائم کرنا نہیں بلکہ زندگی کا وہ متوازن اور عادلانہ نظام برپا کرنا ہے جو خدا کے پیغمبر/ نبی/ اوتار اور نیک بندے دُنیا کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں۔ احکامِ الٰہی کے مطابق لوگوں میں عدل وانصاف کا قیام ریاست کے اوّلین مقاصد میں سے ہے۔ ریاست رنگ، نسل، خون یا علاقائیت کے رشتوں سے بالاتر انسانی مساوات اور تصوّرِ اُخوت کے وسیع ترین نظریات پر قائم ہوتی ہے۔

اخلاقی تعلیمات:

اخلاق جمع کا صیغہ ہے جس کا واحد خُلق ہے۔ یہ انسان کی وہ خصلت ہے جو موروثی یا فطری نہیں ہوتی بلکہ یہ وہ عام عمل ہے جو ہر شخص اپنے گردو پیش سے متاثر ہو کر اپناتا ہے اور پھر غیر ارادی طور پر یا معمولی اشارہ پا کر اس کا وقتاً فوقتاً ظہور ہونے لگتا ہے۔ اگر یہ پختہ عادتیں اچھی اور مفید ہوں تو انسان کو بھروسے اور اعتماد کے قابل بنا دیتی ہیں اور اس کے حسن اخلاق میں شمار ہوتی ہیں۔ انسان کو حیوانات سے ممیّز کرنے والی چیز اس کے اچھے اخلاق ہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ، تہذیب کے حامل تمام معاشرے حُسنِ اخلاق کی ضرورت پر متفق نظر آتے ہیں۔ سچائی، ایفائے عہد، رحم، فیاضی، خودداری، فرض شناسی وغیرہ کو ہمیشہ سب نے سراہا ہے اور جھوٹ، بدعہدی، ظلم، بخل، بے صبری وغیرہ کو ہمیشہ مذمت کی گئی ہے۔ یہ اقدار انسانیت کو مشترکہ ورثہ ہیں۔

نظامِ اخلاق کی خصوصیات:

اچھے اعمال واخلاق کوئی ثانوی درجے کی چیز نہیں بلکہ زندگی میں بنیادی مقصد کی حیثیت رکھتے ہیں اور اگر یہ حاصل نہ ہو سکے تو گویا پوری زندگی بے کار چلی گئی۔ اخلاق کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ فقط عقل کو معیار خیر وشر نہیں ٹھہراتا۔ اگر ہر انسان یا انسانی گروہ اپنے لیے خود اخلاقی ضابطے وضع کرنے لگے تو انسانی معاشرہ انتشار کا شکار ہو جائے گا۔

نظامِ اخلاق کی تیسری اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ فقط حکومت اور قوّت سے اخلاقی ضابطہ کے نفاذ کے بجائے ہر انسان زندگی کے ایک لمحے کے بارے میں وہ اپنے خالق کے سامنے جواب دہ ہے۔ جو شخص ذرا برابر نیکی کرے گا اس کا بھی بدلہ پائے گا اور جو ذرا برابر بدی کرے گا اس کا خمیازہ بھی اسے بھگتنا پڑے گا۔ نظام اخلاق میں خوف خدا اور عقیدۂ آخرت ایک زبردست قوتِ نافذہ ومحرکہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خوفِ خدا ایک ایسی زبردست قوت ہے جس سے بہت سے گناہ عملی شکل اختیار کرنے سے پہلے ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے اخلاقی جرائم کو روکنے کے لیے کروڑوں روپے خرچ کرنے، عملہ بھرتی کرنے اور نگرانی کے نت نئے طریقے ایجاد کرنے کے باوجود دنیا سے جرائم کم نہیں کیے جا سکے بلکہ جرائم پیشہ افراد نے اپنے جرائم چھوڑنے کے بجائے اور بہت سے چور دروازے نکال لیے ہیں۔ لیکن اس کے مقابلے میں مذہب کسی بیرونی دباؤ کے بغیر صرف انسانی ضمیر کو بیدار کر کے بہت سے جرائم کو ختم کر دیتا ہے۔ یورپ میں شراب نوشی کو روکنے کے لیے کتنے قوانین بنائے گئے اور کتنی انجمنیں بہترین تنظیم، اچھی کارکردگی اور وافر مالی ذرائع کے ساتھ قائم ہیں لیکن ان تمام کوششوں کا نتیجہ دنیا کے سامنے ہے۔

اخلاق کے بارے میں مذہبی تعلیمات حقوق وفرائض، فضائل اخلاق اور آدابِ زندگی پر مشتمل ہیں۔ مذہب نے ہر شخص اور ہر

طبقے کے حقوق و فرائض واضح طور پر متعین کر دیے ہیں۔ والدین، اولاد، میاں بیوی، حاکم محکوم، دوست، رشتے دار، غیر مذہب ہمسایہ سب کے حقوق اور فرائض مقرر ہیں اور ان میں ایسا توازن ہے کہ اگر ہر شخص اپنے فرائض ادا کرنے لگے تو ہر ایک کو اس کے حقوق خود بخود مل جائیں گے۔

مذہب نے بہترین اخلاقی فضائل حاصل کرنے کا حکم دیا ہے جو انسان کی عزت، منزلت اور اجر و ثواب کے حصول کا ذریعہ ہیں، مثلاً، دل کا اخلاص، زبان کی سچائی، قول و فعل کا توازن، حیا، خودداری، سخاوت وغیرہ اسی طرح ہر اس برائی سے منع فرمایا ہے، جس سے انسانیت کو دھبہ لگے۔ مثلاً، جھوٹ، خیانت، وعدہ خلافی، چوری، تکبر وغیرہ۔ آداب کے سلسلے میں نشست و برخاست، گفت گو، کھانے پینے، سفر، خوشی و غمی وغیرہ غرض زندگی کے ہر پہلو کے لیے اور ہر موقع کے لیے تمام مذاہب نے ایسے مفصل اور جامع آداب، نظم و ضبط اور قوانین بنائے ہیں جو زندگی کو پرلُطف، شائستہ اور آسان بنانے میں مدد و معاون ہیں۔

نظامِ عدل کی خصوصیات

1۔ مرتب نظامِ شریعت:

تمام مذاہب میں عادلانہ قوانین کسی بادشاہ یا صاحبِ اقتدار طبقہ کے احسان و مہربانی کا نتیجہ نہیں ہیں کہ وہ جب چاہے انھیں منسوخ کر دے۔ انسانی زندگی میں پیش آنے والے تمام مسائل کے حل کے لیے ہے اور کسی جماعت یا حاکم کو کسی قانون کے بدلنے، معطل کرنے کے خلاف قوانین وضع کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔

2۔ انصاف سب کے لیے:

تمام مذاہب میں قانونِ عدل کسی خاص قوم، نسل، طبقے یا شخصیت کے لیے کسی خصوصی رعایت کا متحمل نہیں ہے۔ مذہب کے نزدیک عدل و انصاف کے حصول میں تمام انسان برابر کے حق دار ہیں۔ تمام اقوام اور مذاہب کے ماننے والوں سے پورا پورا انصاف کیا جائے۔ کسی کی قومی، مالی یا سیاسی حیثیت اور اقربا پروری وغیرہ کو انصاف کی راہ میں حائل نہیں ہونا چاہیے۔

3۔ قیامِ عدل کے لیے اخلاقی قوت کا استعمال:

آج کل کی تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ اقوام میں بھی یہی رجحان پایا جاتا ہے کہ عدل قائم کرنا صرف حکومت اور عدالت کا کام ہے اور عام لوگ اس کے ذمہ دار نہیں ہیں جبکہ اس کے برخلاف مذہب ہر انسان کو خود اپنا احتساب کرنا بتاتا ہے۔

4۔ آزاد عدلیہ:

نظامِ عدل کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس نے عدلیہ کو انتظامیہ سے بالکل آزاد رکھا ہے، یہ درست ہے کہ ججوں کا تقرر اور عدالت کے فیصلوں کا نفاذ انتظامیہ کے ہی ذریعے ہوتا ہے تاہم جج مقرر ہونے کے بعد جج حاکم و امیر کو بھی اپنی عدالت میں طلب کر سکتا ہے۔ مذہب انسان کے اندر ایسا ایمان اور خوفِ خدا پیدا کرنا چاہتا ہے کہ مدعی اور مدعا علیہ، جج اور گواہ سب خود کو خدا تعالیٰ کے سامنے جواب دہ سمجھیں اور یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اگر یہاں چرب زبانی اور دروغ گوئی سے کوئی غلط بات منوا بھی لیں تو آخرت میں محاسبہ سے بچ نہیں سکیں گے۔

5۔ صلح کو ترجیح:

عدالت جھگڑوں کو باقی رکھنے اور مقدمہ بازی کو طول دینے کے بجائے اولین کوشش صلح کی کرتی ہے۔اس طرح بہت سے مقدمے عدالتی لوٹ کھسوٹ سے بچ کر اپنی ابتدائی صورت ہی میں ختم ہو سکتے ہیں۔

6۔ عدالت کے لیے راہنما اصول:

عدالت کا مقصد عدل و انصاف کی نمائش نہیں بلکہ مذہبی اور ملکی قوانین کے احکام کے مطابق منصفانہ فیصلہ کرنے کے لیے اپنی پوری صلاحیت سے کام لینا ہے۔عدالت کے نزدیک گواہ کا عادل ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ حاکم کا منصف ہونا۔اس لیے کہ گواہ عادلانہ فیصلے تک پہنچنے میں فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ گواہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ سچا ہو اور واقعہ کو سورج کی طرح واضح دیکھ چکا ہو۔ ورنہ گواہی کی جرأت نہ کرے۔اسی طرح اگر کوئی گواہ کسی واقعہ کو دیکھ چکا ہے تو اسے گواہی نہیں چھپانی چاہیے۔گواہ کی ذمہ داری اتنی زیادہ ہے کہ اسے خود اپنے خلاف، اپنے والدین اور اقربا کے خلاف بھی سچی گواہی دینی ہوگی۔گواہوں پر اتنی ذمہ داری ڈالنے کے ساتھ ساتھ مذہب نے ان کے حقوق بھی متعین کر دیے ہیں اور وہ یہ کہ ان کی عزت کی جائے اور انھیں تکلیف اور نقصان نہ پہنچایا جائے۔

معاشرتی ادارے

افراد اخلاقی اقدار اپناتے ہیں اور افراد کا اخلاقی عمل معاشرے میں رونما ہوتا ہے۔اس طرح اخلاقی اقدار فرد سے معاشرے میں اور معاشرے سے اقوام میں مقبول اور رائج ہوتی رہتی ہیں۔ دنیا میں جہاں کہیں ظلم ہو، تعصّبات بڑھ جائیں یا انسانی مساوات کو ملیا میٹ کر دیا جائے، تو سمجھ لیں کہ وہاں انسان اخلاقی اقدار سے عاری ہو چکا ہے۔ظلم حد سے بڑھتا ہے تو اسی معاشرے سے کچھ لوگ حالات کا رخ بدلنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ بات طے ہے، کہ کوئی معاشرہ اچھے انسانوں سے بالکل خالی نہیں ہوتا۔البتہ اجتماعی عدل کا قیام اور انسانی مساوات قائم کرنے کے لیے ادارے ضروری ہوتے ہیں۔آج بھی معاشرے میں حکومتی، غیر حکومتی اور بین الاقوامی سطح پر ایسے ادارے قائم ہیں جو اجتماعی عدل اور انسانی مساوات کے لیے کوشاں ہیں۔

اخلاق انسانیت کا وہ جوہرِ خاص ہے، جس کے بغیر نہ کوئی فرد اچھا انسان بن سکتا ہے اور نہ مثبت بنیادوں پر کوئی معاشرہ پروان چڑھ سکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کے برگزیدہ بندوں نے بنی نوعِ انسان کو سنوارنے کا بیڑا اُٹھایا، تو اُسی کی ہدایات کے مطابق افراد سے مخاطب ہو کر انھیں اخلاقی تعلیمات دیں۔اُنھیں اندر سے بدلا اور پھر ان افراد نے جماعت کی شکل اختیار کی تو پورے معاشرے کو بدل ڈالا۔

اخلاقی اقدار، خاص طور پر ایسی اقدار جو مذہبی تعلیمات سے اخذ کی گئی ہیں۔ ان پر دنیا میں جہاں کہیں بھی عمل ہوا، وہاں امن و آشتی، سماجی انصاف اور انسانی مساوات کا دور دورہ رہا ہے۔مختلف مذاہب میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ آقا و غلام کا فرق مٹ گیا اور رنگ و نسل اور قومیت کی ساری تفریق جاتی رہی۔اجتماعی عدل کے لیے آج بھی ایسی ہی اخلاقی تعلیمات کی ضرورت ہے۔

اجتماعی عدل اور انسانی مساوات کسی بھی معاشرے اور اس کے اداروں کے تحفظ میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ جن معاشروں میں عدل و انصاف کا بول بالا ہو، وہاں لوگوں کے قلبی اطمینان کی وجہ سے ترقی کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔اس

سے خوش حالی آتی اور امن و امان قائم رہتا ہے جبکہ امن اور سکون کی وجہ سے ایسے معاشرے تادیر قائم رہتے ہیں۔ اس کے برعکس جہاں جنس، رنگ ونسل اور قومیت کے امتیازات زیادہ ہو جائیں وہاں لوگوں کے دلوں سے ایک دوسرے کا احترام اُٹھ جاتا ہے۔ اخلاقی اقدار کمزور ہو کر ختم ہو جاتی ہیں، نیز نفرتیں اور کدورتیں بڑھ جاتی ہیں۔ صرف رنگ ونسل کے امتیاز نے نیلسن منڈیلا کو 27 سال تک جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں رکھا اور اب بھی دُنیا میں لاکھوں انسان ان تعصّبات کا شکار ہیں۔

جنس کی بنیاد پر مرد و عورت میں امتیاز برتا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ ایک حیاتیاتی عنصر ہے۔ اگرچہ عورت اور مرد کی جسمانی ساخت اور مزاج میں فرق ہے۔ قوت اور قوتِ کار کا فرق ہے اور ان کے دائرۂ کار میں بھی فرق ہے لیکن اسے بنیاد بنا کر ترقی کے مواقع نہ دینا انصاف کے خلاف ہے۔ مغرب میں عورت کو آزادیِ رائے، ترقی، حرکت اور روزگار کے یکساں مواقع میسر ہیں۔ باوجود اعلیٰ دماغی صلاحیتوں کے کاموں میں عورتیں مردوں کے برابر ہونے کے باوجود ترقی اور روزگار میں یکساں مواقع کم دیے جاتے ہیں۔ سائنس دانوں، فلسفیوں اور ادیبوں میں خواتین کی تعداد برابر نہیں ہے۔ جنس کی بنیاد پر امتیاز روا رکھنا نہ صرف قانوناً غلط ہے، بلکہ اخلاقی تقاضوں کے بھی سراسر خلاف ہے۔

اخلاقی تعلیمات نفرت اور تعصب سے دُور رہنے کا سبق دیتی ہیں۔ انسان نے جب سے مذہبی اور اخلاقی اقدار کو بھلا دیا ہے۔ اس وقت سے تعصّبات بڑھ گئے ہیں۔ اجتماعی شعور کی بیداری اور تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود انسان ایک دوسرے کو تباہ کر رہے ہیں۔ جنگِ عظیم دوم میں نازیوں نے نسلی تعصّبات کی بنیاد پر دنیا کو روند ڈالا۔ افریقی نسل کے نیگرو افراد کو دو سو سال امریکی غلامی میں گزارنا پڑے اور جنوبی افریقہ کی گوری اقلیت طویل عرصے تک کالوں کی اکثریت پر جبر سے حکمران رہی۔ اسی طرح لسانی تعصب کی وجہ سے ایک دوسرے کی جان تک لینے سے گریز نہیں کیا جاتا۔ ان تمام نفسی بیماریوں کا علاج صرف اخلاقی اور مذہبی تعلیمات سے ممکن ہے۔

مذہبی ادارے:

اخلاقی اقدار، مذہبی اقدار سے جنم لیتی ہیں۔ ان اقدار کی ترویج کے لیے مذہبی ادارے وجود میں آتے ہیں اور مذہبی ادارے ہی معاشرے یا ملک کے اندر اجتماعی عدل اور انسانی مساوات کے قیام میں ہمیشہ فعال رہے ہیں۔ مغرب میں گرجا گھر کا کردار نمایاں رہا لیکن جب ریاست سے اس کا عمل دخل ختم ہو گیا تو وہ فعال نہیں رہا۔ البتہ عوامی سطح پر غیر حکومتی اداروں میں اب بھی مذہبی طبقہ آگے آگے ہے اور خدمتِ خلق کے لیے سرگرم ہے۔

تمام مذاہب اجتماعی عدل اور انسانی مساوات پر زور دیتے ہیں۔ مذہب تقدس کا حامل ایک سماجی ادارہ ہے جو سماج پر بہت سے اثرات مرتب کرتا ہے۔ یہ تعصّبات اور طبقاتی کشمکش کی جڑیں کاٹتا ہے اور معاشرے میں اس سے امن اور خوش حالی آتی ہے۔ البتہ اگر مختلف مذاہب میں فاصلہ بڑھ جائیں، یا رواداری ختم ہو جائے تو عوام مذاہب کی روح سمجھنے سے قاصر ہوتی ہے اور مذہبی تعصب اجتماعی عدل میں رکاوٹ بنتا ہے اور انسانوں میں انتہا پسندی کو پروان چڑھاتا ہے۔

مختلف مذاہب نے اجتماعی عدل پر زور دیا ہے۔ یہودی عالم جوناتھان ساکس کے مطابق اجتماعی عدل کو یہودی مذہب میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اسی طرح مسیحیت کی سماجی تعلیمات میں اجتماعی عمل کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ کیتھولک چرچ کی تاریخ میں بھی اجتماعی عدل کو بلند مقام حاصل رہا ہے اور اس کی تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ اجتماعی عدل سے ہی قومیں زندہ رہتی ہیں۔ یہاں تک کہا گیا کہ گرجا گھر کی

ذمہ داری ہے کہ وہ مہذب معاشرے (Civil Society) میں سماجی انصاف کے لیے اپنا کردار ادا کرے۔ یہودیت، اسلام، ہندودھرم، زرتشت مذہب اور سکھ مذہب تمام مذاہب انسانی خدمت اور باہمی مساوات پر بہت زور دیتے ہیں۔

اسلام نے اجتماعی عدل اور انسانی مساوات کو نہ صرف تعلیمات میں سمویا، بلکہ اسے عبادت کا درجہ دیا ہے۔ مالدار اور نادار کا فرق کم کرنے اور دولت کی ذخیرہ اندوزی روکنے کے لیے زکوٰۃ اور عُشر کی ادائیگی فرض قرار دی ہے۔ صدقات و خیرات کی ادائیگی کو اعلیٰ درجہ کا عمل قرار دیا، لڑکیوں کو وراثت کا حق دار بنایا گیا اور سود سے منع کر کے معاشی استحصال کا راستہ روک دیا گیا۔ اسلام کے نظامِ عبادات میں چھوٹے بڑے کی تفریق کو ختم کیا گیا ہے، خانۂ خدا میں جو پہلے آئے وہ آگے جگہ پائے گا خواہ کوئی بھی ہو۔ وہ تمام انسانوں کو آدم کی اولاد کہہ کر انسانی مساوات پر زور دیا گیا ہے۔ اسی طرح آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنے آخری خطبے میں رنگ و نسل اور قومیت کی جڑ کاٹتے ہوئے فرمایا کہ کسی گورے کو کالے اور کسی عربی کو عجمی پر اور نہ ہی کسی عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت حاصل ہے فضیلت تو صرف پرہیز گاری کی بنیاد پر ملتی ہے۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے نہ صرف غریبوں، بیواؤں، اپاہجوں، مسکینوں اور بے سہارا لوگوں کی مدد کا حکم دیا بلکہ خود اس کا عملی نمونہ بھی پیش کیا۔

صرف اسلام ہی نہیں دوسرے تمام مذاہب بھی اخلاقی اقدار کے لیے ہمیشہ سے کوشاں رہے ہیں۔ مسیحیت نے خدمتِ خلق خصوصاً بیماروں کے علاج اور دکھی انسانیت کی خدمت کے لیے روشن مثالیں قائم کی ہیں اور اس سلسلے میں وہ کالے یا گورے کی تمیز روا نہیں رکھتے۔ مدر ٹریسا نے ہندوستان میں جُذامیوں کے علاج کے لیے ہسپتال بنوائے اور انھوں نے ساری زندگی ناداروں اور ایسے طبقے کے لیے وقت کر دی، جن کے کوئی قریب نہیں آتا تھا۔ اسی طرح سکھ مذہب میں غریبوں اور دیگر لوگوں میں پرشاد تقسیم ہوتا ہے، تو اس میں مذہب، رنگ و نسل یا قومیت کی کوئی تمیز نہیں کی جاتی۔

اسی طرح مسجد، مندر، گوردوارے، چرچ، مزارات اور دینی مدارس کا اپنا ایک کردار ہے۔ یہ ایک نظامِ عبادات میں کامل مساوات کا اہتمام کر کے لوگوں کو عملاً مساوات کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس لیے دُنیا کے بڑے بڑے مذاہب کی عبادت گاہیں، تنظیموں اور اداروں سے وابستہ لاکھوں افراد سماجی انصاف کے لیے کوشاں ہیں، تاہم ضرورت ہے کہ ان اداروں کو تعصّبات اور فرقہ واریت سے بالاتر رکھا جائے۔

فرد اور معاشرے کی نشوونما میں تعلیمی اداروں کا کردار:

آپ جانتے ہی ہیں کہ معاشرہ افراد سے مل کر بنتا ہے جیسے افراد ہوں ویسا ہی معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ آج کل دنیا کے ہر مہذب معاشرے کی یہ کوشش ہے کہ اس کے تمام افراد تعلیم یافتہ ہوں تاکہ پورا معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکے۔ قوموں کی ترقی کا تعلق ان کی تعلیمی ترقی سے ہے اگر کسی ملک کے نظامِ تعلیم کو ٹھوس بنیادوں پر استوار کر دیا جائے تو یہ بات طے شدہ ہے کہ اس کے افراد اور معاشرہ، معاشرتی اور اقتصادی ترقی میں کسی دوسرے معاشرے سے پیچھے نہیں رہتے جو قومیں تعلیم میں نمایاں ترقی کرتی ہیں، معاشی اور معاشرتی ترقی میں بھی کوئی دوسری قوم ان کا مقابلہ نہیں کر پاتی۔ معاشی اور تمدنی ترقی تعلیمی ترقی کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس سلسلہ میں چین، جاپان اور ملائشیا کے معاشرے نمائندہ حیثیت رکھتے ہیں۔ فرد اور معاشرے کی نشوونما میں تعلیم کیا کردار ادا کرتی ہے اس کو علیٰحدہ علیٰحدہ زیرِ بحث لایا جا رہا ہے۔

1۔ فرد کی نشوونما میں تعلیم اور تعلیمی اداروں کا کردار:

فرد جس ماحول میں تعلیم حاصل کرتا ہے اور جس معاشرے میں پرورش پاتا ہے۔ وہ عموماً اسی معاشرے کے نظریہ حیات کو اپنا لیتا ہے۔ وہ رسمی اور غیر رسمی تعلیم کے ذریعہ اسی معاشرے کے عقائد، رسم ورواج، روایات، اقدار، اٹھنے بیٹھنے اور میل جول کے آداب سیکھ لیتا ہے۔ وہ ہر اس چیز کو پسند کرنے لگتا ہے جس کو معاشرہ پسند کرتا ہے اور ہر اس چیز کو ناپسند کرتا ہے جس کو معاشرہ برا سمجھتا ہے، یہاں تک کہ وہ وہی مذہب اختیار کرتا ہے۔ جس پر معاشرہ کاربند ہوتا ہے۔ سب سے پہلا مدرسہ والدین کا گھر ہوتا ہے اور سب سے پہلے اساتذہ والدین ہوتے ہیں اس لیے عموماً یہودی والدین کے ہاں پیدا ہونے والا بچہ، یہودی، ہندو گھرانے میں پیدا ہونے والا بچہ ہندو اور مسلمان والدین کے ہاں پیدا ہونے والا بچہ مسلمان ہوتا ہے۔ انسان اپنی عادات اور کردار میں ان لوگوں کا اثر قبول کرتا ہے جن میں وہ رہتا ہے اور جن سے وہ ملتا ہے۔ وہ بہن بھائیوں، ماں باپ اور دوستوں کا اثر قبول کرتا ہے۔ اپنی عادات اور کردار میں وہ اساتذہ اور دوستوں سے بھی متاثر ہوتا ہے۔ سکول کا خوشگوار ماحول، اچھا نصاب اور بہترین تدریسی طریقے طالب علم کی نشوونما پر مثبت طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اساتذہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے شاگردوں سے شفقت سے پیش آئیں تاکہ سیرت اور کردار کی بہتر تعمیر ہو سکے۔

اس میں شک نہیں کہ تعلیم کے بغیر انسان جسمانی نشوونما پا سکتا ہے۔ زندہ بھی رہ سکتا ہے۔ لیکن اسے معاشرتی آداب اور انسانی ارصاف سکھانے کے لیے تعلیم بہت ضروری ہے اور تعلیمی ادارے یہ فریضہ انجام دیتے ہیں۔ ہر معاشرے کے مقاصدِ تعلیم میں اس بات کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے کہ طالب علم کے کردار کی تعمیر اس انداز سے کی جائے کہ اس میں مطلوبہ عادات اور سیرت پیدا ہو جائے۔ معاشرہ یہ چاہتا ہے کہ انکا فارغ التحصیل طالب علم ایک اچھا سوشلسٹ ثابت ہو۔ اسرائیل کا یہودی معاشرہ یہ چاہتا ہے کہ ان کا نظام تعلیم اس طرح ترتیب پائے کہ فارغ ہونے والا طالب علم اچھا یہودی ثابت ہو۔ مادہ پرست اور سیکولر جمہوری معاشروں میں فرد کی آزادی کے تصور کے تحت تعلیم سے یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ تعلیم سے فارغ ہونے والا ہر فرد معاشرے سے مطابقت پیدا کر سکے، خود کما سکے اور خرچ کر سکے اور سیکولر جمہوریت کا پرستار ہو۔ نظامِ تعلیم کا مقصد فرد کو خدا تعالیٰ کا ایک نیک اور صالح بندہ بنانا ہے جو تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد خدا تعالیٰ کا فرمانبردار بن کر خدا کی رضا کے مطابق، زندگی گزارنے والا ہو۔ یعنی تعلیم ادارے طالب علم کی سیرت اس طرح تعمیر کریں کہ وہ سائنسدان، انجینئر، ڈاکٹر، قانون دان، تاجر اور پروفیسر جو کچھ بھی بنے اس کا کردار مثالی ہو۔

دنیا کے تمام معاشرے اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ تعلیمی ادارے اچھے شہری پیدا کرے، یہاں شہریت سے مراد ہر ملک کی اپنی شہریت ہے۔ ہر ملک کی شہریت نظریہ حیات کے اختلاف کی وجہ سے دوسرے ممالک اور معاشروں سے مختلف ہوتی ہے۔ ہر ملک اپنے طالب علموں سے توقع رکھتا ہے کہ وہ اچھے شہری بن کر نکلیں۔ ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ ہمارے طالب علم ہمارے اچھے شہری، اچھے پاکستانی اور اچھے انسان بن کر تعلیم سے فارغ ہوں۔

تعلیمی اداروں کا ایک انتہائی اہم مقصد یہ ہے کہ وہ طالب علم کو اس قابل بنائے کہ وہ کوئی پیشہ یا ہنر سیکھ کر باعزت روزی کما سکے تاکہ اس کی ضروریات پوری ہو سکیں اور وہ اپنے خاندان کے افراد کی کفالت کر سکے۔ زمانہ قدیم سے آج تک ہر ملک کے نظامِ تعلیم میں افراد کو روزی کمانے کے قابل بنانا اور انھیں مختلف پیشوں کی تربیت دے کر ہنر مند بنانا تعلیم کے بنیادی اور عمومی مقاصد میں شامل ہے۔ تعلیم

معاشرے سے مطابقت کا نام ہے۔ تعلیمی اداروں کا ایک نہایت اہم مقصد یہ ہے کہ وہ افراد کو معاشرے سے مطابقت کے طریقے سکھاتے ہیں۔ تعلیمی ادارے فرد کو اس قابل بناتے ہیں کہ وہ معاشرتی اقدار، روایات اور لوازماتِ زندگی کا فہم حاصل کریں۔ اپنی انفرادی ذمہ داریوں کو نبھائے اور معاشرے کے لیے تعمیری کردار ادا کر سکے۔ طالب علم کو آج کی پیچیدہ معاشرتی زندگی کو سمجھنے اور اپنی معاشرتی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے قابل بنانا تعلیمی اداروں کا ایک انتہائی اہم مقصد ہے۔

ہر معاشرہ یہ چاہتا ہے کہ نئی نسل کے بچے تعلیم حاصل کریں تا کہ اس کی تہذیب کو فروغ حاصل ہو۔ جوں جوں انسانی تجربات اور علم بڑھتا جا رہا ہے۔ فروغ تعلیم کی ضرورت شدید ہوتی جا رہی ہے۔ ہر معاشرہ اپنی ترقی اور مفادات کو آگے بڑھانا چاہتا ہے جس کے لیے وہ تعلیم کے فروغ میں مزید کوشاں رہتا ہے تا کہ اس کے زیادہ سے زیادہ افراد علوم اور تجربات سے آگاہ ہوں اور معاشرتی ترقی کے فوائد سے بہرہ ور ہو سکیں۔ آج بہت سے ملکوں نے سو فی صد خواندگی حاصل کر لی ہے اور وہ مادی ترقی کی معراج کو چھو رہے ہیں جو معاشرے خواندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں، وہ بھی اس کوشش میں ہیں کہ خواندگی بڑھے۔ آج دُنیا کے تمام معاشروں نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ علم اور خواندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے کا مطلب معاشی ترقی اور مفادات کے حصول میں آگے بڑھنا ہے اس لیے ہر معاشرہ اپنے افراد کی خواندگی اور فروغِ علم کے لیے کوشاں ہے۔

2۔ معاشرے کی نشوونما میں تعلیم اور تعلیمی اداروں کا کردار:

تعلیم اور معاشرہ لازم و ملزوم ہیں ایک کے بغیر دوسرے کا تصور بھی ممکن نہیں یہ ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بچہ معاشرے میں جنم لیتا ہے۔ معاشرہ اس کی تعلیم و تربیت اور معاشرتی نشوونما کا اہتمام کرتا ہے۔ معاشرہ ہی اسے رسم و رواج، آداب و اخلاق اپنے نظریہ حیات اور پوری معاشرتی زندگی سے متعارف کراتا ہے اور تعلیمی ادارے ہی کے ذریعے قومی مقاصدِ تعلیم کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں معاشرہ کے نظریہ حیات اور ثقافت کی منتقلی کا کام تعلیمی ادارے کرتا ہے۔

ہر معاشرہ اپنے نظریہ حیات کے مطابق نئی نسل کی تربیت کی ذمہ داری تعلیمی ادارے کو سونپنے کے بعد بجا طور پر توقع رکھتا ہے کہ اس کی معاشرتی اور معاشی ضرورتوں، نظریہ حیات اور قومی نصب العین کے مطابق، مدرسہ نئی نسل کی تربیت کرے، طلبہ کو معلومات فراہم کرنا، معاشرتی اقدار، تہذیب و ثقافت، عادات اور عملی زندگی کی بنیادی مہارتیں مدرسہ منتقل کرتا ہے اور انہیں کامیاب معاشرتی زندگی گزارنے کے قابل بناتا ہے۔ مدرسہ سے فارغ ہونے کے بعد طلبہ تربیت یافتہ افراد کی حیثیت سے معاشرے میں قدم رکھتے ہیں۔ مدرسہ کی تعلیم ان کی رہنمائی کرتی ہے۔ وہ صحیح اور غلط میں تمیز کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں اور معاشرے کی تعمیر میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

تعلیمی اداروں سے تشکیل پانے والا معاشرہ ایک منضبط معاشرہ ہوتا ہے۔ جس میں مستقبل کے معاشرے کو معلومات تقسیمات، معاشرتی اقدار اور رویے سکھائے جاتے ہیں اور انھیں کامیاب زندگی گزارنے کے لیے مختلف مہارتوں اور فنون کی ترتیب دی جاتی ہے تا کہ وہ آئندہ زندگی میں معاشرے کی تعمیر کے لیے باعزت پیشہ اختیار کر سکیں۔ معاشرہ افراد کا ایک گروہ ہے۔ ہر معاشرہ اپنے ثقافتی ورثے کو اپنی آئندہ نسل کو منتقل کرنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ تعلیمی اداروں کو آلہ کار کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ تعلیم ایک ایسی معاشرتی سرگرمی ہے جس کے ذریعہ انسان اپنے طبعی، معاشرتی اور روحانی ماحول سے مطابقت سیکھ لیتا ہے۔

تعلیمی اداروں کے ذریعے نئی نسل کو صحت منداور پسندیدہ معاشرتی زندگی گزارنے کے طریقے معلوم ہوتے ہیں۔ تعلیم ایسا عمل ہے جس کے ذریعے معاشرہ اپنے نظریات، فکر، سوچ، ثقافت اور تہذیب وتمدن کو آنے والی نسلوں کو منتقل کرنے اور اسے محفوظ کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔ تعلیم ایسا نظام ہے جس سے طلبہ معاشرے کے خاص طرز معاشرت کو عملاً قبول کر لیتے ہیں۔ بعض مفکرین کے نزدیک تعلیمی اداروں کا کام صرف یہی نہیں ہے کہ وہ ثقافت اور تہذیب وتمدن کو تحفظ دینے کے لیے اسے اگلی نسل کو منتقل کر دے بلکہ تعلیم کی بہت بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ افراد کی اس طرح تربیت کرے کہ معاشرہ اور اس کی ثقافت کی مثبت اور تعمیری تشکیل بھی ممکن ہو جائے۔

معاشرہ تعلیمی اداروں سے یہ توقع رکھتا ہے کہ تعلیمیافتہ شخص میں یہ اہلیت پیدا ہو جائے کہ وہ معاشرے سے مطابقت اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ ایک ذمہ دار شہری کے طور پر زندگی گزار سکیں۔ تعلیمی ادارے کے ذریعے فرد کی پوشیدہ صلاحیتوں کا پتہ چلاتے ہیں تا کہ اس کی شخصیت کی نشوونما کی جا سکے۔ طالب علم کو اپنے اور دوسروں کے حقوق کا علم ہو جاتا ہے اور وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ صحیح انداز فکر اختیار کر سکے۔ قوموں کے عروج وزوال اور ان کے بناؤ اور بگاڑ میں ان معاشروں کے افراد کی سوچ کے انداز انتہائی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس لیے تعلیمی اداروں کا یہ فرض سمجھا جاتا ہے کہ وہ طالب علم کو ایک ذمہ دار شہری کا کردار ادا کرنے کے قابل بنائیں۔

کمپیوٹر اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کی بدولت آج کے دور میں تعلیمی اداروں کی ذمہ داریاں اور زیادہ ہو گئی ہیں۔ نت نئی ایجادات نے سائنس اور ٹیکنالوجی کی اہمیت اور بڑھا دی ہے۔ سائنسدانوں، انجینئروں اور دوسرے ماہرین کے بغیر کوئی معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا۔ سائنسدان، ڈاکٹر، انجینئر، وکیل، جج، پروفیسر اور سیاستدان تعلیم ہی کی بدولت ماہرین میں شمار ہوتے ہیں، یہی ماہرین معاشرے کی ہر قسم کی ترقی کے لیے قائدانہ کردار ادا کرتے ہیں۔ جن معاشروں میں موجدوں اور دوسرے ماہرین کی تعداد بہت زیادہ ہے وہ معاشرے ترقی کی دوڑ میں دوسرے معاشروں سے بہت آگے نکل گئے ہیں۔ پاکستان کو بھی ہر شعبے میں ترقی کے لیے ایسے بے شمار ماہرین کی ضرورت ہے۔ ہمارے معاشرے کی یہ ضرورت صرف تعلیم اور تعلیمی ادارے ہی پوری کر سکتے ہیں۔

☆☆☆☆

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ اجتماعی عدل اور انسانی مساوات معاشرے اور ان کے اداروں کے محافظ کیوں کہلاتے ہیں؟

2۔ اجتماعی عدل کے قیام میں تعلیمی اور مذہبی اداروں کا کردار متعین کریں۔

3۔ افراد، اقوام اور بین الاقوامی ادارے عدل و مساوات کے قیام سے انحراف کیوں کرتے ہیں اور مستقبل میں ان کا سدِ باب کیسے ممکن ہوگا؟

4۔ مذہبی ادارے انسانی زندگی میں کیا کردار ادا کرتے ہیں؟

5۔ نظامِ عدل کی خصوصیات کیا کیا ہیں؟ تفصیل سے بیان کریں۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ بڑے بڑے تعصّبات اور امتیازات کون کون سے ہیں؟

2۔ نظامِ اخلاق کی کیا خصوصیات ہیں؟

3۔ کون سا ادارہ سماجی عدل اور انسانی مساوات میں زیادہ کردار ادا کرسکتا ہے؟

4۔ ریاستی ادارے جو اجتماعی عدل کے ضامن ہوسکتے ہیں وہ کون کون سے ہیں؟

5۔ کونی سی تعلیم رنگ و نسل کے امتیازات کم کرنے میں مدد دے سکتی ہے؟

6۔ تعلیمی ادارے ہماری نسل بنانے میں کیا کردار ادا کرتے ہیں؟

(ج) دُرست جواب کی نشان دہی کیجئے۔

1۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔انسانیت کا جوہرِ خاص ہے۔

(ا) تعلیم (ب) معیشت (ج) اخلاق (د) مساوات

2۔ عدل کے قیام کے لیے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ضروری ہے۔

(ا) قانون (ب) اخلاقی تعلیم (ج) انتظامیہ (د) عدلیہ

3۔ سماجی انصاف کی مثالیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں موجود ہیں۔

(ا) اسلام (ب) مسیحیت (ج) بدھ مت (د) ا، ب، ج

4۔ اجتماعی عدل اور انسانی مساوات کی راہ میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔رکاوٹ ہے۔

(ا) تعصّبات (ب) نظریۂ لذت (ج) اخلاقی تعلیم کا فقدان (د) ا، ب، ج

5۔ موجودہ دَور میں ناانصافیوں کی اہم ترین وجہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔

(ا) لالچ (ب) الفت ومحبت کی کمی (ج) اخلاقی اقدار (د) ا، ب، ج

(د) خالی جگہ پُر کیجیے۔

1۔ جنس ایک۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔عنصر ہے۔

2۔ مسیحیت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں دوسروں سے آگے ہے۔

3۔ مقنّنہ کا کام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

4۔ وسائل کے حصول اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں اقوام اخلاقیات سے عاری ہیں۔

5۔ تعلیم یافتہ انسان بھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تعلیم کی کمی کی وجہ سے تعصّبات کا شکار ہے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1۔ اجتماعی عدل کے موضوع پر ایک گروہی مباحثہ کیجیے۔

2۔ اپنے ادارے میں عدمِ مساوات کے عناصر کی نشان دہی کیجیے اور انھیں مل کر درست کرنے کی جدوجہد کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ ”ہمارا انصاف ادارے تک“ اس موضوع پر طلبہ کو بتایئے کہ تعلیمی اداروں میں اجتماعی عدل اور انسانی مساوات کی بنیادیں کیسے مستحکم ہوسکتی ہیں۔

☆☆☆☆

کام کی جگہ پر وقت کی اہمیت

پابندیِ وقت کیا ہے؟

وقت وہ قیمتی متاع ہے، جو تمام انسانوں کو برابر عطا کی گئی ہے۔ یہ دولت نہ ذخیرہ کی جاسکتی ہے اور نہ اس کے آگے روک لگائی جاسکتی ہے جو لوگ اس کی اہمیت سے واقف ہیں، وہ فائدہ اُٹھا کر ترقی کرتے اور نام پیدا کرتے ہیں جو اس کی افادیت نہیں جانتے وہ اسے ضائع کرتے ہیں۔ جب یہ گزر جاتا ہے، سوائے پچھتاوے کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

وقت ہی زندگی کا دوسرا نام ہے۔ اس کی قدر و قیمت کا ادراک ہو، تو انسان اس سے فائدہ اُٹھا کر اس دُنیا میں سہولتیں حاصل کرتا ہے آخرت میں انسان سے سوال کیا جائے گا، کہ وقت یا زندگی کیسے گزاری؟ تو اس کے لیے جواب دینا بھی آسان ہوگا۔ یاد رہے کہ ایک آدمی کی ذاتی زندگی میں وقت کی جتنی اہمیت ہے، قومی اور اجتماعی زندگی میں بھی یہ اتنا ہی اہم ہے۔ قومیں وقت کی قدر و قیمت جان کر ترقی کرتی اور عروج حاصل کرتی ہیں۔ کام کی جگہ پر خواہ وہ دفتر ہو یا کارخانہ اور کمپنی ہو یا ادارہ وقت ہی سب سے قیمتی متاع ہوتی ہے۔

وقت سے استفادہ کی بہترین صورت اور عملی پہلو پابندیِ وقت ہے۔ اسی طرح تمام مذاہب میں عبادات کے اوقات مقرر ہیں اور وقت پر کی گئی عبادت ہی عبادت کہلاتی ہے۔ جب کائنات کا ہر ذرہ وقت اور نظم وضبط کا پابند ہے، تو اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے، کہ کوئی بھی کام بہتر طور پر سرانجام دینے کے لیے وقت کی پابندی از بس ضروری ہے۔ ہم کسی کمپنی، کارخانے، دفتر یا ادارے میں ملازم ہوں یا طالب علم ہوں تو ہم پر لازم ہے، کہ ہم کام کی جگہ پر نہ صرف وقت کے پابند ہوں، بلکہ مقررہ اوقات میں اپنی تمام ذمہ داریاں بھی پوری کریں اور وہ تمام کام کریں جو ہمیں تفویض ہوئے ہیں۔

وقت کی پابندی ہر انسان کے لیے بہت ضروری ہے، جو انسان وقت پر اپنے سارے کام کر لیتا ہے، اسے ترقی کی منزل آسانی سے حاصل ہو جاتی ہے، جو لوگ وقت کی قدر نہیں کرتے وہ درحقیقت ایک قیمتی خزانہ ضائع کر دیتے ہیں۔ نظام کائنات بھی پابندی وقت کا درس دیتا ہے موسم اپنے مقررہ وقت پر بدلتا ہے۔ دن رات مقررہ وقت کے پابند ہیں۔ چاند سورج ایک مقررہ وقت اور مقررہ نظام کے تحت طلوع وغروب ہوتے ہیں۔ سیاروں کی گردش، موسموں کا تبدیل ہونا، اناج اور پھلوں کا تیار ہونا وغیرہ۔ اگر اِس نظام میں ذرا سا بھی فرق

آجائے تو سونامی جیسے طوفان آتے ہیں۔ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ وہ اگر پابندی وقت کا عادی نہیں ہوتا تو یہ اس کی ناسمجھی یا نااہلی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ طالب علم اگر سکول نہ جائے تو تعلیم حاصل نہیں کر سکتا، کسان اگر فصل وقت پر نہ بوئے، وقت پر پانی نہ دے اور وقت پر نہ کاٹے تو کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی طرح کارخانہ میں وقت پر کام مکمل نہ ہو۔ مزدور وقت پر کام نہ کرے تو کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ دنیا میں کامیاب زندگی گزارنے کے لیے لازم ہے کہ وقت کی پابندی کی جائے اور ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا جائے۔ قدرت نے بھی ہمیں وقت کی پابندی کا حکم دیا ہے۔

پابندیِ وقت کے فوائد:

وقت کی پابندی ہمارے عزت و وقار میں اضافے کا باعث بنتی ہے جو لوگ ہر روز مقررہ اوقات سے دس منٹ پہلے کام کی جگہ پر پہنچتے ہیں اور وقت پورا ہونے کے چند منٹ بعد کام کی جگہ چھوڑتے ہیں، تو ان کے افسرانِ بالا اس پابندی وقت سے ان کے بارے میں عمدہ رائے قائم کرتے ہیں۔ ان کے رفقائے کار انھیں قدر و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ عام زندگی میں بھی ان کی اس خوبی کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ بری بات یہ کہ اگر افراد کام کی جگہ پر دیر سے پہنچتے ہیں تو ساکھ کو نقصان پہنچتا ہے اگر بار بار ایسا ہو تو ملازمت بھی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ تمام اداروں کے منتظم کارکنوں اور ملازمین کو رعایتیں اور مراعات دیتے ہیں مگر وقت کی پابندی پر کوئی سمجھوتہ نہیں کرتے۔

اپنا کام بروقت کیا جائے تا کہ ہم چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر قابو پا سکیں۔ آخری وقت پر کام کرنے سے بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وقت کی پابندی کرنے والے لوگ نہایت خاموشی سے اپنے کارخانے، کمپنی، ادارے اور تنظیم کے منتظمین کو یہ پیغام دیتے ہیں، کہ وہ راست باز، دیانتدار، قابلِ اعتماد اور ذمہ دار انسان ہیں۔ وہ اپنے ادارے سے ذہنی طور پر مکمل وابستہ ہیں اور ادارے کے ساتھ وفادار بھی ہیں۔ وقت کی پابندی ان کے لیے ترقی کی راہیں کھول دیتی ہے۔ پابندیِ وقت نہ صرف ایک اچھی عادت ہے بلکہ عمدہ انسانی کردار کی شناخت بھی ہے۔ مزید برآں وقت کی پابندی انسانی اخلاق پر مثبت اثرات مرتب کرتی ہے۔

وقت ہماری زندگی کا ایک اہم حصہ ہے۔ یہ بغیر رکے آگے بڑھتا رہتا ہے اور کسی کی پروا نہیں کرتا۔ وقت کے ساتھ چلتے رہنا ہی عقل مندی ہے۔ اگر ہم وقت کے ساتھ نہیں چلیں گے تو پیچھے رہ جائیں گے کیونکہ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ اس لیے ہمیں وقت کا صحیح استعمال کرنا چاہیے۔ جو وقت آج ہمارے پاس ہے وہ چند دنوں یا سالوں بعد واپس نہیں آئے گا۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ "آج کا کام کل پر مت چھوڑو۔" صرف دنیاوی مصروفیات کے لیے نہیں بلکہ دینی احکام میں بھی پابندی وقت کا خیال رکھیں۔ وقت دنیا کی سب سے قیمتی چیز ہے۔ وقت کی قدر کرنے سے افراد اور معاشرے کو ایک بہتر کل کی طرف بڑھنے میں مدد ملتی ہے۔ اس کے علاوہ، ہمیں اپنے بچوں کو بھی وقت کی اہمیت اور قدر سکھانی چاہیے کیونکہ وقت کا ضیاع ہمارے اور ہمارے آس پاس کے لوگوں کے لیے ایک بڑے مسئلہ کا باعث بن سکتا ہے۔

وقت کی بچت:

آج ہماری زندگی میں آلاتِ جدید میں کمپیوٹر، انٹرنیٹ، موبائل اور ٹیلی ویژن بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور یہ بہت مفید چیزیں ہیں۔ دیکھا جائے تو ان کے صحیح استعمال سے بہت سے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں وہاں ان کا غیر ضروری زیادہ استعمال بہت سا قیمتی وقت ضائع کرنے کا سبب بھی بنتا ہے۔ ان کو ضرورت کی حد تک ہی استعمال کرنا چاہیے ہر وقت انھی میں مگن رہ کر اپنا قیمتی وقت برباد نہیں کرنا چاہیے۔

ہماری نوجوان نسل میں بالخصوص وقت کی ناقدری کا عنصر بڑھتا جا رہا ہے۔ دن بھر موبائل فون پر لگے رہنا، موقع ملتے ہی ٹی وی اور کمپیوٹر پر بیٹھ کر فضول کاموں میں وقت برباد کرنا عام ہو رہا ہے۔ ایسا کر کے نہ صرف وہ اپنا قیمتی وقت برباد کر رہے ہیں بلکہ اپنی قسمت کے دروازے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے لیے بند کر رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ نوجوان نسل جو کہ قوم کی معمار ہے وقت کی قدر کرے اور اُسے بروئے کار لائے۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو ہدایت کا راستہ دے۔ (آمین)

کام کی جگہ پر وقت کی اہمیت

وقت ہمارے پاس سب سے اہم اور قیمتی وسائل میں سے ایک نعمت ہے، پھر بھی بہت سے لوگ اسے دانشمندی سے استعمال نہیں کرتے۔ ایسا عموماً قدر نہ جاننے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اچھی یا بری ٹائم مینجمنٹ کارکردگی اور پیداوار کو متاثر کرتی ہے۔ ٹائم مینجمنٹ ملازمین کی کارکردگی کو متاثر کرتا ہے اور کام کو مکمل کرنے کام کی کوالٹی بہتر ہے۔ کمپنیوں کے تمام کاموں کو بہتر کرنے اور اہداف کو تیزی سے حاصل کرنے کے لیے ٹائم مینجمنٹ اہم ہے۔ ایک مؤثر ٹائم مینجمنٹ پلان کے ساتھ آپ نئے مواقع حاصل کر سکتے ہیں اور اپنی کمپنی کو پائیدار ترقی دے سکتے ہیں۔

بہتر کارکردگی:

وقت کا بہتر انتظام کرنے کا ایک بہترین فائدہ یہ ہے۔ آپ سمجھ جاتے ہیں کہ آپ کو کیا کرنا ہے اور ہر کام میں کتنا وقت لگے گا اگر آپ اپنے اہم ترین کاموں کے لیے وقت کا شیڈول بناتے ہیں۔ ایک بہترین شیڈول بنانے سے کاموں کے انتظام میں مدد ملتی ہے، اور سخت شیڈول پر قائم رہنے سے تاخیر کا امکان کم ہو جاتا ہے۔ آپ کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو گی کہ کس کام کو کتنا وقت دینا ہے۔ آپ وقت ضائع کرنے والے عناصر کو جان لیں گے۔ آپ مقررہ وقت کے اندر کام کو پورا کرنے کا طریقہ جان لیں گے۔ وقت کا انتظام آپ کو نا صرف اہم ترین کاموں پر توجہ مرکوز کرنے بلکہ خلفشار سے بچنے میں بھی مدد کرتا ہے۔

وقت پر کام کی فراہمی:

اگر آپ اپنے وقت کا مؤثر طریقے سے انتظام کرتے ہیں، تو آپ وقت پر کام فراہم کر سکتے ہیں۔ اپنے وقت کو مؤثر طریقے سے منظم کرنے کے لیے، آپ کو اپنی فہرست میں ہر کام کے لیے وقت مختص کرنا چاہیے۔ جن کاموں کو پورا کرنے کے لیے ایک خاص وقت دیا جاتا ہے ان کے وقت پر مکمل ہونے کا امکان زیادہ ہو جاتا ہے۔

تناؤ اور اضطراب:

کام کا بوجھ اور انھیں ناقص وقت کی منصوبہ بندی کی وجہ سے آپ اکثر تناؤ کا شکار رہتے ہیں۔ تناؤ کے اثرات آپ کی پیداواری صلاحیت کے ساتھ ساتھ مجموعی صحت کو بھی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ ضرورت سے زیادہ تناؤ اور اضطراب دل کی بیماری، موٹاپا، ڈپریشن اور دیگر صحت کے مسائل کا سبب بن سکتا ہے۔ ایک ترجیحی فہرست بنائیں تاکہ آپ اہم کاموں کو کم اہم کاموں سے الگ کر سکیں۔ اس طرح آپ فہرست پر نظر رکھ سکتے ہیں اور کاموں کو ان کی ترجیح کے مطابق مکمل کر سکتے ہیں۔ اگر ہم جانتے ہوں کہ کیا پہلے کرنا ہے تو ہم اپنی زندگی سے غیر ضروری تناؤ اور پریشانی کو ختم کر سکتے ہیں۔

کام کا اعلیٰ معیار:

کام کی جگہ پر اعلیٰ معیار کا کام قابل قدر ہوتا ہے۔ایک ملازم کے طور پر ہماری ذمہ داری ہے کہ کام کے معیار کو ایک خاص معیاری سطح تک پہنچا دیں۔ جب آپ اپنے وقت کا صحیح طریقے سے انتظام کرتے ہیں اور اپنے کاموں کو ترجیح دیتے ہیں تو اعلیٰ معیار کا کام ہوتا ہے۔آپ زیادہ ترجیحی کاموں پر پوری توجہ اور لگن کے ساتھ کام کر سکتے ہیں اور اسے تمام مطلوبہ وقت دے سکتے ہیں۔ نتیجے کے طور پر یہ ہمارے کام کے معیار کو بڑھانے میں مدد کرتا ہے۔

کارکردگی اور پیداوار کو بہتر بنانا:

وقت کے انتظام کی اچھی مہارتیں آپ کو زیادہ موثر اور نتیجہ خیز بناتی ہیں۔ہم غیر ضروری سرگرمیوں میں وقت ضائع نہیں کرتے اور معیار پر سمجھوتہ کیے بغیر اپنے کاموں کو جلد از جلد مکمل کرتے ہیں۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اپنے کاموں میں جلدی کریں اور معیار کو قربان کریں۔اس کا مطلب ہے کہ ہم اپنے وقت کا زیادہ سے زیادہ استعمال اہم کاموں پر کرتے ہیں اور غیر اہم کاموں میں وقت ضائع نہیں کرتے اِس طرح پیداواری صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے۔

بہتر کام اور زندگی کا توازن:

کام اور زندگی کا بہتر توازن وقت کے انتظام کا سب سے اہم فائدہ ہے۔کام کی زندگی میں توازن کا مطلب ہے کہ ہماری پیشہ ورانہ اور ذاتی زندگی کے درمیان توازن پیدا کرنا۔ٹائم مینجمنٹ کی مدد سے آپ وقت کی قدر کو سمجھتے ہیں۔ہم اپنے کام اور اہداف کو کم وقت میں پورا کر سکتے ہیں اور اپنی پیشہ ورانہ اور ذاتی زندگی میں توازن رکھ سکتے ہیں۔

اپنی ٹیم کو بڑھنے میں مدد کرنا:

اگر ہم مینجر یا لیڈر ہیں، تو دفتر میں ٹائم مینجمنٹ صرف ایسی چیز نہیں ہے جس کے بارے میں ہم کو سوچنے کی ضرورت ہے۔یہ ہماری پوری ٹیم پر لاگو ہوتا ہے اور ہم اس بات کو یقینی بنانے کے ذمہ دار ہیں کہ ہر کوئی اپنے مختص وقت میں مؤثر طریقے سے کام کرے۔ ذمہ داروں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اپنی ٹیموں کو کتنی ذمہ داریاں مؤثر طریقے سے تفویض کر سکتے ہیں تا کہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ پورا گروپ آسانی سے کام کرے۔ذمہ داریاں تفویض کرتے وقت، اس بات کو یقینی بنائیں کہ آپ ملازمین کو ایسے حالات میں نہیں ڈال رہے ہیں جو ان کی طاقت کے مطابق نہیں ہیں بلکہ انھیں ایسی ذمہ داریاں بھی دے رہے ہیں جو انھیں ان کے کمفرٹ زون سے باہر نکالیں تو اس سے انھیں بطور پیشہ ور آگے بڑھنے اور آپ کی ٹیم کو مجموعی طور پر بہتر ممبر بننے میں مدد ملے گی۔

ٹائم مینجمنٹ کو بہتر بنانے کے پانچ اقدامات:

اپنے وقت کو صحیح استعمال کرنا اتنا مشکل نہیں ہے۔اپنے وقت کو بہتر بنانے کے لیے کچھ آسان اقدامات مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ منصوبہ بندی
2۔ اہم کاموں کو ترجیح دیں۔
3۔ ملٹی ٹاسک نہ کریں۔
4۔ ٹائم ٹریکنگ سافٹ ویئر استعمال کریں۔
5۔ خلفشار کو دُور کریں۔

نتیجہ:

وقت کا انتظام آپ کو زیادہ توجہ مرکوز کرنے اور نتیجہ خیز بننے میں مدد دیتا ہے۔صحیح وقت کے انتظام کی حکمت عملی تناؤ کو کم کرتی ہے۔آپ کو ہوشیار، تیز، اور زیادہ مؤثر طریقے سے کام کرنے میں مدد دیتی ہے۔مؤثر وقت کے انتظام کی مہارتیں آپ کے کیریئر اور آپ کی ذاتی زندگی دونوں پر مثبت اثر ڈالتی ہیں۔ایک بار جب آپ ٹائم مینجمنٹ کا فن سیکھ لیتے ہیں تو آپ اپنی زندگی کو کنٹرول کر سکتے ہیں اور زیادہ طاقت اور آزادی سے کام حاصل کر سکتے ہیں۔

☆☆☆☆

مشق

(الف) مفصل جواب لکھیں۔

1۔ پابندی وقت کیا ہے؟ پابندیِ وقت کے فوائد اور اہمیت پر نوٹ لکھیں۔

2۔ کام کی جگہ پر پابندیِ وقت کی منصوبہ بندی کیسے کی جائے؟ تفصیلاً بتائیں۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ خدا تعالیٰ نے کون سی نعمت تمام انسانوں کو برابر دی ہے؟

2۔ وقت سے استفادہ کی عملی صورت کیا ہے؟

3۔ کام کی جگہ پر روزانہ چند منٹ ضائع ہوں تو اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟

4۔ کام کی جگہ پر تاخیر سے پہنچنے سے سب سے بڑا نقصان کیا ہوتا ہے؟

5۔ وقت کی پابندی فرد کی ترقی کے لیے کیا کردار ادا کرتی ہے؟

6۔ وقت کی بچت کیسے کی جاسکتی ہے؟

(ج) دُرست جواب کی نشان دہی کیجئے۔

1۔ انسانی ناموری اور عظمت کا راز۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں مضمر ہے۔

(ا) شہرت (ب) دولت (ج) پابندیِ وقت (د) ا،ب،ج

2۔ کام کی جگہ پہ وقت کی پابندی نہ کرنے سے زیادہ نقصان۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کا ہوتا ہے

(ا) کمپنی (ب) افراد (ج) افسران (د) ا،ب،ج

3- پابندیِ وقت سے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہوتا ہے۔

(ا) مالی فائدہ (ب) عزت اور اعتماد میں اضافہ

(ج) ساکھ بہتر (د) ا، ب، ج

4- ہر کام کو آخری لمحوں تک ٹالنے سے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے/ ہیں۔

(ا) ہمیشہ کام نامکمل رہتا (ب) افراتفری میں کچھ اور باتیں بھول جاتے

(ج) تاخیر ہو جاتی (د) ا، ب، ج

5- دستیاب وسائل سے زیادہ سے زیادہ کام لینا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

(ا) ذہانت (ب) جلد بازی (ج) ہوشیاری (د) ا، ب، ج

6- پابندیِ وقت زندگی سے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کم کرتا ہے۔

(ا) پریشانیوں (ب) تناؤ و اضطراب (ج) بہتر کارکردگی (د) ا، ب، ج

(د) خالی جگہ پُر کریں۔

1- زندگی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کا دوسرا نام ہے۔

2- عبادات کے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مقرر ہیں۔

3- کائنات کا ہر ذرہ نظم اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کا پابند ہے۔

4- کام کی جگہ پر وقت کی پابندی آپ کی عزت اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں اضافہ کرتی ہے۔

5- پابندی وقت انسان کے عمدہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کی شناخت ہے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1- تمام طلبہ ایک ڈائری بنائیں جس میں روزمرہ کے اُمور اوران پر پابندی سے عمل کے اوقات درج کریں مثلاً عبادات، نیند، سیر اور گھر کے کام، سکول کا کام وغیرہ اور ہر کام کو مناسب وقت دیا جائے، ہفتے کے بعد جائزہ لیں کہ آپ کس کام پر کتنا وقت صرف کرتے ہیں؟

2- تمام طلبہ مل کر ایک طالب علم کی چوبیس گھنٹوں کی مصروفیات کا نظام الاوقات بنائیں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1- نظم وضبط اور پابندی وقت پر تمام طلبہ سے عمل کرائیں۔

2- تاخیر سے آنے والوں کا وقت نوٹ کریں اور اُنھیں آگاہ کریں کہ آج دیر سے آنے سے آپ کا کتنا نقصان ہوا ہے۔

☆☆☆☆

باب
4

آداب

کام کی جگہ کے آداب:

دُنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے ہر انسان کوئی نہ کوئی کام کرتا ہے۔ ایک کاروبار کرتا ہے تو دوسرا کسی کمپنی، کارخانے یا کسی ادارے میں ملازمت کرتا ہے۔ یہ روزگار کے سلسلے ہیں۔ البتہ ہر جگہ کام کرنے کے ایسے آداب ہوتے ہیں جن پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ہم کسی ادارے کے منتظم، کسی کارخانے میں مزدور یا کسی دفتر میں ملازم ہوں۔ اُس جگہ کے قوانین وضوابط، اخلاق اور آداب پورے کرنے ہی سے آپ باوقار طریقے سے اپنے منصب سے عہدہ برآ ہو سکیں گے۔ ان آداب پر عمل کرنے سے جہاں اداروں کی پیداوار بڑھتی ہے، وہاں ماحول بھی خوش گوار ہوتا ہے اور انفرادی قوتِ کار میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ پہلے چند عمومی نوعیت کے آداب بیان کیے جاتے ہیں، جن کا کام کی جگہ (Work Place) پر خیال رکھنا ضروری ہے۔

- کام کی جگہ پر کام کرنے کے لیے نئے لوگ آتے ہیں تو وہ آداب سے ناواقف ہوتے ہیں۔ منتظمین اور پُرانے کارکنوں کا فرض ہے کہ وہ نئے ملازمین کو کام کی جگہ کے آداب سے آگاہ کریں۔
- ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے رفقائے کار سے عمدہ رویہ اختیار کریں۔ ہم دوسروں کی عزت کریں گے، تو ہماری بھی عزت ہوگی اور ماحول اچھا رہے گا۔
- وقت کی پابندی نہ کرنے کی صورت میں جہاں ہماری ساکھ متاثر ہوتی ہے وہاں یہ تاثر بھی پیدا ہوتا ہے، کہ ہم ادارے سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ آپ اپنی ذات کو ادارے کے مفاد کی نسبت زیادہ اہم سمجھتے ہیں۔
- اداروں میں کئی قسم کے اجلاس ہوتے ہیں، جن میں بہتری کا لائحہ عمل مرتب کیا جاتا ہے۔ ہم ان اجلاسوں میں بروقت شریک ہوں۔ یہ بات اور بھی معیوب ہوگی، کہ ہم تاخیر سے آئیں، اور دُوران اجلاس دوسروں سے پوچھیں کہ کیا کچھ کیا جا چکا ہے؟
- موبائل فون اور لیپ ٹاپ اس دَور کی نہایت مفید سہولتیں ہیں، مگر اجلاس کے دَوران یا کام کی جگہ پر ان کا استعمال کم کریں۔
- کام کی جگہ پر جہاں خوش اخلاقی اور دوسروں کی مدد کرنے کے جذبے قابلِ قدر ہوتے ہیں، وہاں شخصیت کے ظاہری پہلو بھی قابلِ توجہ ہوتے ہیں۔ ہمیشہ لباس، جوتے، اور اپنی ذاتی صفائی کا خاص خیال رکھیں۔ دوسروں کے کام میں مداخلت نہ کریں اور اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دیں۔

انتظامیہ اور آداب:

افراد کی صلاحیتوں میں فرق ہوتا ہے۔ ذمہ داری جتنی بڑی ہوا تنی ہی صلاحیت، قوتِ کار، بڑے حوصلے اور بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے، جو لوگ بڑے عہدوں پر کام کرتے ہیں ان سے بہتر اخلاقی تقاضوں کی توقع ہوتی ہے۔

- مختلف نوعیت کے کاموں کے لیے مختلف لوگوں کو بھرتی کیا جاتا ہے مگر اس کے باوجود، ایک شعبے میں کام کرنے والے افراد میں فرق ہوتا ہے۔ کام تفویض کرتے وقت ان کی صلاحیتوں اور وقت کے دَورانیے کا خیال رکھیں۔
- بعض چرب زبان اور خوشامدی افراد انتظامیہ کے دل میں نرم گوشہ پیدا کر لیتے ہیں اگر ان سے رعایت کی جائے تو عدل وانصاف

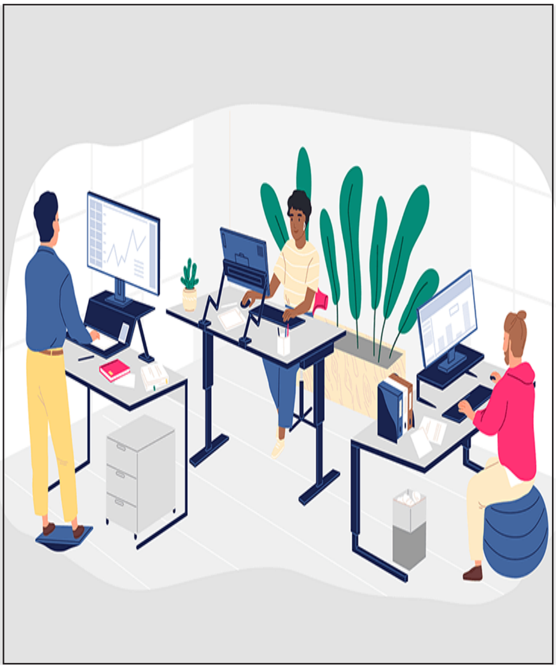

کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ دوسرے کارکن بد دل اور بدظن ہوتے ہیں۔ اس لیے انصاف کے تقاضے ہر حال میں پورے کیے جائیں۔

- ماتحت عملے کے ساتھ اچھا رویہ اپنائیں۔ وہ عہدے اور صلاحیت میں کم ہونے کے باوجود بھی عزتِ نفس رکھتے ہیں۔ ہم ان کا احترام کریں تو وہ مشکل حالات میں ہمارے مضبوط دست و بازو بنیں گے۔
- اجلاس بُلاتے وقت اس کے مقاصد، وقت کے دَورانیے اور زیرِ بحث اُمور سے سب کو وقت سے پہلے آگاہ کریں تا کہ شرکا تیاری کر کے اجلاس میں شریک ہوں۔
- اجلاس میں اخلاقی ضابطوں یا ملازمت کے آداب بتانا مقصود ہوں تو نرم لہجے میں گفتگو کریں۔ موبائل فون کا استعمال اجلاس کے دوران نہ کریں اور ناگریز ہو تو موبائل فون کا استعمال کرنے سے پہلے اپنے ساتھیوں سے معذرت کریں اور اجلاس والے کمرے سے باہر جا کر استعمال کریں۔ اجلاس کے آخر میں تمام لوگوں کا شکریہ ادا کرنا ہرگز نہ بھولیں۔
- ملازمین اپنے مطالبات پیش کریں، تو باہمی گفت و شنید کے بعد قابلِ عمل مطالبات تسلیم کر لیں اور جن پر عمل کرنا ممکن نہ ہو تو کارکنوں کو ان کی وجوہات بتا دیں تا کہ وہ مطمئن ہو جائیں۔
- اجلاسوں میں تمام شرکا کو آزادی سے رائے دینے اور اختلاف کرنے کی سہولت فراہم کریں۔

ماتحت عملہ اور آداب:

- ماتحت عملہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے افسرانِ بالا کا احترام کرے، اگر انتظامیہ کوئی حکم جاری کرے، تو اس پر عمل کرے۔ ممکن ہے کسی حکم سے آپ کو اختلاف ہو، ایسی صورت میں متعلقہ ذمہ دار اصحاب کے سامنے اپنا نقطۂ نظر رکھیے۔ ضرورت ہو تو افسرانِ بالا کے پاس اپیل کریں، مگر طیش میں آکر بدزبانی کرنا اور کسی حکم کو جھگڑے کی بنیاد بنانا بُری بات بھی ہے اور خلافِ آداب بھی ہے۔
- افسرانِ بالا، کے ساتھ عزت واحترام سے پیش آئیں۔ یہ رشتہ خلوص پر قائم ہونا چاہیے۔ اس سے آپ کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔
- خوشامد، چاپلوسی اور بے جا تعریف عام طور پر کامیاب ملازمت کے گُر تصور کیے جاتے ہیں، مگر ان منفی صفات کے نتائج انسان کو دوسروں ہی کی نہیں، خود اپنی نظروں میں گرا دیتے ہیں۔ ان سے پرہیز کریں۔ یہ حربے وہ لوگ اپناتے ہیں جن سے اور کچھ نہیں بن پڑتا۔
- وقت کی پابندی ملازمت کا تقاضا اور اخلاق کا ماحصل ہے۔ اس کے اصولوں سے واقف ہو کر اِن پر عمل کیجیے۔

- اجلاس کے دَوران میں موبائل فون بند رکھیں۔ خاموشی اور غور سے اجلاس کی کارروائی سنیں اور ضرورت پڑنے پر بولنا پڑے،تو اپنی آواز اور لہجہ نرم اور مدھم رکھیں۔
- افسرانِ بالا، رفقائے کار اور دیگر تمام لوگوں کے بارے میں حُسنِ ظن رکھیں۔ اس سے آپ کو ذہنی سکون ملے گا۔
- کام کی جگہ پر اپنا لباس صاف ستھرا رکھیں اور شخصیت کے ظاہری پہلوؤں کو نظر انداز نہ کریں۔ بڑھی ہوئی شیو، بغیر پالش کے جوتے، لٹکے ہوئے تسمے اور ٹوٹے ہوئے بٹن، ان چیزوں کو کہیں بھی پسند نہیں کیا جاتا۔ اس سے ایک تاثر یہ ملتا ہے کہ آپ جس قدر خود سے بے نیاز ہیں، ادارے سے بھی اسی طرح بے پروا ہیں۔
- کھانے کے کمرے کو صاف رکھیں اور کھانے کی باقیات کو ٹھکانے لگا کر جائیں۔
- غلط افواہوں پر توجہ نہ دیں اور انھیں پھیلانے میں کوئی کردار ادا نہ کریں۔ اس منفی سرگرمی سے ادارے اور کمپنی کا خسارا بڑھ جاتا ہے۔
- کام زیادہ، اور مطالبات کم کیجیے۔ آپ کے یہی رویے آپ کی ترجیحات کا پتا دیتے ہیں۔
- تکرار سے اجتناب کریں۔ اپنے ہم کار ساتھیوں کی عزت کریں۔ اس سے آپ کی توقیر بڑھے گی۔ ان کی مدد کریں۔
- چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھیں۔ دوسروں کی طرف منہ کر کے کھانسنا یا چھینکنا معیوب ہے۔ تم کی بجائے آپ کہہ کر دوسروں کو پکاریں۔ ان آداب پر عمل کرنے سے خود آپ کے وقار میں بھی اضافہ ہوگا۔

☆☆☆☆

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ کام کی جگہ کے کون کون سے آداب ضروری ہیں؟

2۔ انتظامیہ کے آداب پر تفصیل سے بحث کریں۔

(ب) مختصر جوابات لکھیے۔

1۔ کام کی جگہ کے آداب کا خیال رکھنے سے ماحول پر کیا اثر پڑتا ہے؟

2۔ اجلاس میں منتظم کو کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے؟

3۔ ماتحت عملے کے مطالبات سے کیسے نمٹا جائے؟

4۔ خوشامد اور چاپلوسی کرنے والوں سے کیا سلوک کرنا چاہیے؟

5۔ کام کی جگہ پر ماتحت عملے کو کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے؟

(ج) دُرست جواب کی نشان دہی کیجیے۔

1۔ ایک ملازم کے لیے سب سے اہم ہے۔

(ا) مشاہرہ (ب) عہدہ (ج) عزتِ نفس (د) ا،ب،ج

2۔ کام کی جگہ پر وقت کی پابندی کی جائے تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے/ ہیں۔

(ا) ایک فرد کے وقار میں اضافہ ہوتا (ب) اس کے لیے ترقی کی راہیں کھلتی

(ج) انتظامیہ خوش ہوتی (د) آمدن میں اضافہ ہوتا

3۔ غلط افواہ پھیلنے سے زیادہ نقصان۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کا ہوتا ہے۔

(ا) منتظم (ب) ماتحت ملازم (ج) کارخانے (د) کسی کا بھی نہیں

4۔ آداب پر عمل سے فائدے میں رہتا ہے۔

(ا) منتظمِ اعلیٰ (ب) کارکن (ج) سرمایہ دار (د) ا،ب،ج

5۔ اجلاس میں تمام شرکا کو آزادی سے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کا حق ہے

(ا) روپے پیسے دینے (ب) رائے دینے (ج) سہولت دینے (د) ا،ب،ج

6۔ ماتحت کے لیے ضروری ہے کہ وہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کا احترام کرے۔

(ا) دفتر (ب) انتظامیہ (ج) افسرانِ بالا (د) ا،ب،ج

(د) درست جملے کے سامنے ''ص'' اور غلط جملے کے سامنے ''غ'' لکھیں۔

1۔ تکرار نہ کریں تو آپ کی توقیر بڑھے گی۔

2۔ خوشامد کارگر ہتھیار تصور کیا جاتا ہے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1۔ ہر طالب علم اپنے والد/ والدہ سے ان کے ادارے کے آداب پوچھے اور نوٹ کرے۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ معاشرے میں ماتحت عملے کے ساتھ غلط سلوک ایک روایت بنتی جا رہی ہے۔ طلبہ میں شعور بیدار کریں کہ یہ روایت غلط ہے۔

2۔ طلبہ سے پوچھیں کہ اگر وہ بڑے ہو کر ماتحت ہوں گے تو انتظامیہ سے کیا سلوک کریں۔

☆☆☆☆

مشاہیر

نیلسن منڈیلا:

آزادی ایک بیش بہا نعمت ہے اور اس کی خواہش اورطلب انسانی فطرت میں شامل ہے۔اسی لیے انسان نے آزادی کے حصول کے لیے سب سے زیادہ قربانیاں دی ہیں جوافراد یا قومیں ایثارنہیں کرتیں، وہ غلامی اور ذلت کی زندگی بسر کرتی ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ غلامی سے نجات اور تحریکِ آزادی کی کامیابی ہمیشہ اُن افراد کی جدوجہد کی مرہونِ منت ہوتی ہے، جو اپنے خون سے تاریخ رقم کرتے ہیں یا ہمت وحوصلے سے حالات کا رُخ بدل دیتے ہیں۔ ایسے لوگ ایسی روشن مثالیں قائم کرتے ہیں، جو آنے والی نسلوں کے لیے روشنی کا مینار ثابت ہوتی ہیں۔جنوبی افریقہ کے نیلسن منڈیلا تاریخ کا ایک ایسا ہی لازوال کردار ہیں جنھوں نے 27 سال جیل کی تاریک کوٹھڑی میں گزار دیے مگر ان کے حوصلوں کو پست نہ کیا جا سکا۔حریت پسند اور آزادی کی تحریکوں کے پُرجوش کارکن آج بھی ان کے نقشِ قدم پر چلنے کوسعادت اور کامیابی کی دلیل سمجھتے ہیں۔

نیلسن منڈیلا 18 جولائی 1918ء کو جنوبی افریقہ کے ایک صوبے ٹرنسکائی کے گاؤں مووِیز میں پیدا ہوئے۔ان کے والد اپنے قبیلے کے سردار تھے، وہ بہت خوددار تھے۔چنانچہ ایک گورے مجسٹریٹ سے کسی بات پر ان بن ہوگئی، توسرداری جاتی رہی۔مراعات ختم ہوئیں تو مالی مشکلات بڑھ گئیں۔9 سال کی عمر میں نیلسن یتیم ہوگئے۔اگلے دس سال ان کی تعلیم وتربیت سردار جانگن تابانے کی سرپرستی میں ہوئی۔وہ اُن کے والد کے دوست تھے۔نیلسن کا بچپن سادگی میں بسر ہوا۔وہ فطرت کی گود میں پلے بڑھے۔خوب صورت سبزہ زاروں میں دوستوں سے کھیلتے پھرتے اور شام کو گھر آتے تو اُنھیں ان کے قبیلے زازا کے جنگی قصے سنائے جاتے اور ماں انھیں اخلاقی کہانیاں سنایا کرتی تھی۔

انھوں نے ابتدائی تعلیم گاؤں میں پائی۔جب ان کی عمر سولہ سال ہوئی، تو انھیں کلارک بری کالج میں داخل کرادیا گیا۔اس کالج میں نہ صرف ملک بھر سے طالب علم پڑھنے آتے تے بلکہ سوازی لینڈ اور بچوانا لینڈ کے طلبہ بھی یہیں داخل ہوکر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ہوسٹل میں سب مل کر خوش باش رہتے۔دوسرے طلبہ کی صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا اور سماجی تربیت بھی،نیلسن کی نظر میں بھی وسعت پیدا ہوئی اور یہیں اُن کا ذہنی اُفق وسیع ہوا۔اسی کالج میں کچھ سفید فام طلبہ بھی پڑھتے تھے۔بعض اوقات کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ رونما ہوجاتا، جس سے نسلی تعصب کو ہوا ملتی۔نیلسن کے شعور میں یہ بات بیٹھ گئی تھی، کہ کالے افریقیوں کو سفید فاموں کے مقابلے میں حقیر سمجھا جاتا ہے۔

1937ء میں نیلسن منڈیلا مزید تعلیم کے لیے ہیلڈ ٹاؤن کے ویزلیان کالج میں داخل ہوئے۔یہاں تعلیم کا نظام اور بہتر تھا۔اب

ان کے ذہن کے دریچے کھلتے جا رہے تھے۔ البتہ یہاں زندگی محنت طلب ہو گئی تھی۔ وہ کھیلوں خصوصاً مکے بازی اور دوڑوں میں حصہ لیتے تھے۔ ایک تقریب میں انھیں اپنے قبیلے زازا کے ایک شاعر کردن مخائے کو سُننے کا اتفاق ہوا۔ اس نے نیلسن منڈیلا کے ذہن میں آزادی کا بیج بو دیا جو وقت کے ساتھ ساتھ تن آور درخت کا روپ دھار گیا۔

جب نیلسن نے فورٹ ہیر یونیورسٹی کالج میں داخلہ لیا، تو ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ یہ ادارہ ان کے تصور سے بھی زیادہ اچھا تھا۔ نیلسن اسے کالوں کا آکسفرڈ اور کیمبرج قرار دیتے تھے۔ یہ سیاہ فام افریقیوں کے لیے تعلیم و تربیت کا مرکز تھا۔ اس ادارے کا معاشرتی ماحول مہذب اور دانش ورانہ تھا لیکن یہاں پروفیسر جاباؤ اور پروفیسر زیڈ کے میتھیوس سے بہت متاثر ہوئے۔ ان دونوں کے خیالات نیلسن نے قبول کیے۔ فورٹ ہیری میں وہ عیسائی انجمن کے رکن بنے۔ وہ کبھی کبھی دیہات میں انجیل پڑھانے جایا کرتے تھے۔ اُنھیں انجمن طلبہ کا رکن منتخب کیا گیا مگر یہ انتخاب اُنھیں مہنگا پڑا۔ ایک اصولی مؤقف پر ڈٹ جانے پر اُنھیں کالج سے نکال دیا گیا۔ انھوں نے بعد میں اپنی کوشش سے بی اے کا امتحان پاس کر لیا۔

اس زمانے میں کالے افریقی نسلی تعصّبات کا شکار تھے۔ انھیں مناسب روزگار میسر نہ تھا۔ نیلسن کو بھی اُنھیں مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک کان میں چوکیداری کی، ایک نجی ادارے میں کلرک اور قاصد بھی رہے۔ یہیں ان کی ملاقات مسٹر گاور سے ہوئی۔ وہ افریقی نیشنل کانگرس کے رکن اور ایک بڑے انقلاب پسند مقرر تھے۔ نیلسن کو انھوں نے سیاسی جدوجہد کی راہ پر لگایا اور وہ افریقی نیشنل کانگریس کے اجلاسوں میں شریک ہونے لگے۔ قانون کی تعلیم کے لیے نیلسن نے وٹ واٹرسرینڈ ریونیورسٹی میں داخلہ لیا تو اُنھیں نئے نئے تجربات سے گزرنا پڑا۔ یہاں گورے کالے مل کر پڑھتے۔ کبھی بھی روشن خیالی اور وسعت نظری کے مظاہرے بھی ہوتے مگر یہاں بھی نسلی تعصّبات خاصے تھے۔ کالوں کو گوروں کے برابر کا شہری نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہاں نیلسن منڈیلا کو بہت سے کالوں اور ہندوستانیوں سے ملنے کا موقع بھی ملا۔ دوستی کے رشتے توانا ہوئے تو یہی دوستی آگے چل کر تحریکِ آزادی کا ہراول دستہ بن گئے۔

جنوبی افریقہ میں سونے کی کانیں تھیں۔ دیگر وسائل بھی وافر مقدار میں تھے چنانچہ سفید فام افراد نے یہاں اقلیت میں ہونے کے باوجود حکومتیں بنائیں مگر کالوں کو حقوق نہ دیے۔ بہت سے ہندوستانی بھی یہیں آ کر آباد ہو گئے۔ ان لوگوں کے ساتھ بھی امتیازی سلوک کیا جاتا تھا۔ کالوں اور ہندوستانیوں کے رہائشی علاقے الگ تھے۔ گوروں کی آبادی میں ان کا داخلہ ممنوع تھا۔ ان کی ٹرینیں اور بسیں الگ تھیں، سکول الگ تھے۔ اُنھیں گوروں کے علاقے سے گزرنے کے لیے اجازت نامہ لینا پڑتا تھا۔ کالوں کو گوروں کے لیے مقرر دروازوں سے گزرنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ پکی گلیوں میں چل بھی نہیں سکتے تھے، ساحلوں پر نہ جا سکتے تھے اور بے شمار پابندیاں تھیں جن کی خلاف ورزی پر انھیں جرمانہ اور قید کی سزائیں دی جاتی تھیں۔ ان پابندیوں اور ناانصافیوں کے خلاف فضا منظم ہو رہی تھی۔ آزادی اور بنیادی حقوق کے لیے تحریک جڑ پکڑ چکی تھی۔ نیلسن اب پوری طرح سیاست کے میدان میں اُتر چکے تھے۔ پہلے دس سال تو انھیں پابندیوں اور گرفتاریوں کا سامنا رہا۔ انھیں کئی سال زیرِ زمین رہ کر کام کرنا پڑا مگر کب تک؟ آخر کار وہ قانون کے شکنجے میں جکڑے گئے۔ مدتوں مقدمہ زیرِ سماعت رہا اور 25 جون 1964ء کو انھیں عمر قید سنا کر جیل بھیج دیا گیا۔

نیلسن منڈیلا قانون دان تھے اور سیاسی رہنما بھی، مگر وہ بڑی ناانصافیوں کا شکار ہوئے۔ اُنھیں بڑی بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ بہت وزنی ہتھوڑوں سے پتھر کُوٹ کر بجری بنانا پڑی، تیرہ سال مسلسل چونے کی بھٹیوں سے چونا نکالنا پڑا۔ جیل ان کے لیے آزمائش کی صلیب بن گئی جس پر انھیں مسلسل آزمایا گیا۔ بچے اور بیوی الگ سے دُکھ جھیل رہے تھے۔ ماں فوت ہوگئی، تو وہ اس کے آخری دیدار سے بھی محروم رہے۔ 25 سالہ جوان بیٹا فوت ہوا تو وہ اس کی آخری رسومات میں بھی شریک نہ ہو سکے۔ اس سب کے باوجود ان کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی۔ انھوں نے نہ تو آزادی کے حق کا سودا کیا اور نہ عوام کے بنیادی اور پیدائشی حقوق کی قیمت وصول کی۔ ان کی عمر کے 27 سال قید و بند میں گزر گئے۔ آخرکار فروری 1990ء میں حکومت کو انھیں رہا کرنا پڑا۔ ان کی پارٹی نے انھیں پارٹی کا صدر چُن لیا اور انتخابات میں بھاری اکثریت حاصل کر لی۔ راہِ آزادی کا یہ مسافر 1994ء سے 1999ء تک جنوبی افریقہ کا صدر رہا اور اس کے بعد انھوں نے عوامی زندگی سے ریٹائرمنٹ کا اعلان کر دیا۔ اقتدار چھوڑ کر انھوں نے عظمت کی بلندیوں کی طرف ایک اور مضبوط قدم اُٹھایا۔

نیلسن منڈیلا نے جتنی صعوبتیں اٹھائیں اور جتنے دکھ جھیلے، وہ اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ نسلی تعصب کے خاتمے اور اپنی قوم کے حقوق حاصل کرنے کے لیے تھے۔ انھوں نے زندگی کا بڑا حصہ جیل میں گزارا۔ ان کی قربانیوں کو عالمی سطح پر تسلیم کیا گیا اور اب اقوامِ متحدہ نے ہر سال نیلسن منڈیلا کا عالمی دن منانے کا اعلان کیا ہے۔ یہ اعزاز نوبل انعام سے بھی بڑھ کر ہے۔

نیلسن منڈیلا نے آزادی کے لیے جتنے مصائب کا سامنا کیا، بیسویں صدی میں اس کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ ان کی قربانیوں کے دُوررس اثرات مرتب ہوئے۔ آزادی کی تحریکوں نے ان کے عزم و حوصلے سے جلا پائی۔ ان کا کردار حقوق کی خاطر لڑنے والوں کے لیے روشنی کا مینار ثابت ہوا۔ قاعدے اور اُصول کے لیے چٹان کی طرح ڈٹ جانا بڑے ہی دل گردے اور حوصلے کی بات ہے۔ نسلی تعصّبات شکست کھا گئے اور نیلسن منڈیلا تاریخ میں ہمیشہ کے لیے زندہ ہوگئے۔ دُنیا بھر میں ان کی جدوجہد کو سراہا گیا۔ 1993ء میں انھیں نوبل انعام سے نوازا گیا۔ دُنیا کی پچاس بین الاقوامی یونیورسٹیوں نے اُنھیں اعزازی ڈگریاں عطا کیں جن میں پاکستان کی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی بھی شامل ہے۔ وہ یونیورسٹی آف نارتھ کے چانسلر بھی رہے۔ حقیقت میں نیلسن منڈیلا دنیا بھر کے آزادی پسند لوگوں کے دلوں کی دھڑکن اور سب کے لیے مثالی نمونہ ہیں۔ اُن کی وفات 5 دسمبر 2013ء میں ہوئی۔

☆☆☆☆

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیے۔

1۔ نیلسن منڈیلا کو جدوجہد آزادی میں کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا؟

2۔ ''نیلسن منڈیلا کی زندگی جدوجہد آزادی کی روشن مثال ہے'' تبصرہ کیجیے۔

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ آزادی کے بنیادی تقاضے کیا ہیں؟

2۔ نیلسن منڈیلا کی یتیمی میں پرورش کس نے کی؟

3۔ نیلسن منڈیلا کی زندگی میں کردن مخائے کی کیا اہمیت ہے؟

4۔ مسٹر گاورنے نیلسن کی زندگی میں کیا کردار ادا کیا؟

5۔ سفید فام اور ہندوستانیوں نے جنوبی افریقہ کا رُخ کیوں کیا؟

(ج) دُرست جواب کی نشان دہی کیجیے۔

1۔ آزادی کی خاطر نیلسن منڈیلا نے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سال جیل میں گزار دیے

(ا) 17　(ب) 27　(ج) 30　(د) 33

2۔ کلارک بری کالج منڈیلا کے لیے مفید رہا کیونکہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(ا) اس کے دل میں آزادی کی تڑپ پیدا ہوتی۔　(ب) وسعتِ نظر پیدا ہوگی۔

(ج) تعصّبات کم ہوئے۔　(د) حصول علم کی راہیں کشادہ ہوئیں۔

3۔ فورٹ ہیر یونیورسٹی کالج کو دیکھ کر منڈیلا کو خوشگوار حیرت ہوتی کیونکہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تھا/تھے۔

(ا) یہ اس کے خوابوں سے زیادہ خوب صورت　(ب) اعلیٰ ترین تعلیمی ادارہ

(ج) تہذیب اور دانش یک جا　(د) ا،ب،ج

4۔ تعلیم کے دَوران میں منڈیلا نے محسوس کیا کہ سفید فام کالوں سے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہیں۔

(ا) تعصب برتتے　(ب) پڑھائی میں آگے　(ج) خود کو حاکم سمجھتے　(د) زیادہ ذہین

5۔ نیلسن منڈیلا نے آزادی کے لیے مصائب برداشت کیے لیکن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(ا) آزادی کے حق سے دستبردار نہ ہوئے۔　(ب) عوام کے حقوق کی قیمت وصول نہیں کی۔

(ج) ان کا جذبہ توانا ہوتا گیا۔　(د) ا،ب،ج

(د) کالم (الف) کا ربط کالم (ب) سے کیجیے اور جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
پیدائش	سردار جانگن	
آزادی کی تڑپ	13 سال	
چونا	چوکیداری	
سرپرستی	کرن مخائے	
کان	مویزو	
	27 سال	

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1۔ نیلسن منڈیلا کی آپ بیتی کی روشنی میں آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ایک اچھے راہنما کی خوبیاں کیا کیا ہونی چاہییں۔ ''راہنما کے اوصاف'' کے عنوان سے یہ لکھ کر کمرۂ جماعت میں آویزاں کریں۔

2۔ اپنے آزادی کے راہنماؤں (قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ، علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، محمد علی جوہر، حسرت موہانی، فاطمہ جناح وغیرہ) کا تصویری البم بنا کر محفوظ کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ ''آزادی کے تقاضے اور راہنما'' کے موضوع پر ایک تحریری مقابلے کا اہتمام کریں اور اول، دوم آنے والے طلبہ کو انعامات دیں۔

☆☆☆☆

ڈاکٹر محمد یونس

غربت، بیماری، جہالت اور بھوک تیسری دنیا کے بڑے بڑے روگ ہیں، جنھیں دیکھ کر ہر حساس دل تڑپ اٹھتا ہے۔ ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ احساس اور دردِ دل ہی انسانیت کا بہترین جوہر ہیں۔ بعض اوقات یہی احساس کسی نہ کسی صاحبِ دل کو ایسی تحریک دیتا ہے کہ وہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اپنے فکر و عمل سے لاکھوں انسانوں کے دکھوں کا مداوا کر دیتا ہے۔ ایسا ہی ایک واقعہ جنوب مشرقی ایشیا کے ایک پسماندہ اور ترقی پذیر ملک میں پیش آیا۔ معاشیات کے ایک استاد دن بھر یونیورسٹی میں پڑھاتے اور شام کو قریبی دیہات میں نکل جاتے۔ وہ غریب لوگوں کو مزدوری کرتے دیکھتے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ مزدور خواتین کی دن بھر کی مزدوری صرف دو مٹھی چاول ہیں، اور یہ سب افراد قرض کے آہنی شکنجوں میں جکڑے ہوئے ہیں، تو ان کا دل پسیج گیا۔ انھیں بخوبی معلوم تھا کہ کسی فرد یا ملک کی کمزور معیشت انھیں گھن کی طرح چاٹ جاتی ہے۔ انھوں نے تہیہ کر لیا کہ وہ ان غربت کے مارے انسانوں کو قرض سے نجات دلائیں گے۔ انھوں نے منصوبہ بنایا اور فوراً عمل بھی شروع کر دیا۔ چند سالوں میں انھوں نے کایا پلٹ دی۔ اس دردمند انسان کا نام ڈاکٹر محمد یونس ہے۔ ان کی سماجی خدمات کے اعتراف میں انھیں 2006ء میں نوبل انعام دیا گیا۔

محمد یونس 28 جون 1940ء کو چٹا گانگ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ایک صرّاف تھے۔ انھوں نے اعلیٰ ثانوی درجہ تک تعلیم چٹا گانگ میں حاصل کی۔ بی اے اور ایم اے معاشیات کے امتحانات ڈھاکہ یونی ورسٹی سے پاس کیے اور وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ چلے گئے۔ پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد وہ کچھ عرصہ کولمبو یونی ورسٹی سری لنکا میں معاشیات کے استاد رہے۔ بعد ازاں وہ چٹا گانگ یونی ورسٹی میں معاشیات کے استاد مقرر ہوئے۔

ڈاکٹر محمد یونس عام لوگوں کی حالت سے آگاہ تھے، مگر اس غربت کی وجوہات جاننے اور ذاتی مشاہدے کے لیے وہ یونی ورسٹی کے نواحی گاؤں جوبرا چلے گئے۔ وہاں انھوں نے ایک مزدور بُڑھیا کا انٹرویو کیا اور گلی کے دیگر لوگوں کے حالات کا جائزہ لیا۔ انھیں معلوم ہوا کہ وہ لوگ 10% سود ہفتہ کی بنیاد پر قرض لیتے ہیں اور مال تیار کرتے ہیں۔ ساہوکار آ کر مال لے جاتا ہے اور انھیں دن بھر کی مزدوری دو مٹھی چاول دے جاتا ہے۔ یہ سب کارکن بُری طرح استحصال کا شکار ہو رہے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ 42 گھرانوں کو قرض سے نجات دلانے کے لیے صرف 27 ڈالر کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ انھوں نے اپنی جیب سے 27 ڈالر دے کر ان افراد کو قرض سے نجات دلا دی۔ یہیں سے ان کے ذہن میں ''گرامین بنک'' قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا۔

ڈاکٹر محمد یونس نے حالات کا تجزیہ کیا۔ اس معاشرے میں کارکن خواتین کی خاصی بڑی تعداد تھی۔ ان کا یقین ہے کہ مالی معاملات میں خواتین زیادہ ذمہ دار ہوتی ہیں۔ وہ مردوں کے مقابلے میں صرف دو فیصد نادہندہ ہوتی ہیں اور قرض کے معاملے میں ان پر زیادہ اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے پہلے ذاتی ضمانت پر گاؤں کی کارکن خواتین کو تین سو ڈالر کا قرض لے کر دیا۔ خواتین نے یہ بلا سود قرض آسان قسطوں میں واپس کر دیا۔ تب ان کا اعتماد یقین میں بدل گیا۔ چنانچہ انھوں نے گرامین (دیہی) بنک کھول دیا۔

دسمبر 1976ء میں اس بنک کا افتتاح ہوا اور پھر مسلسل ترقی کرتا گیا۔ حکومت کی توجہ ہوئی، تو حکومتی امداد بھی ملنی شروع ہو گئی۔ 1983ء میں اس بنک کو باقاعدہ بنک کی شکل حاصل ہوئی۔ چونکہ یہ دیہی بنک ہے اور دیہاتیوں کو بلا ضمانت قرضے دیتا ہے۔ اس لیے اس کی زیادہ پیش رفت اور ترقی دیہات ہی میں ہے۔ 2006ء تک اس بنک کی 2226 شاخیں قائم ہو چکی تھیں اور اکہتر ہزار (71,000) سے زائد دیہات ساہوکاروں کے چُنگل سے آزاد ہو چکے تھے۔ اس بنک سے قرض لینے والی 96 فیصد خواتین ہیں اور قرض چکانے کی شرح 98 فیصد ہے۔

ڈاکٹر محمد یونس نے جو طرح ڈالی، وہ قابلِ رشک ثابت ہوئی چنانچہ بنگلہ دیش کے علاوہ دُنیا کے دیگر 45 ممالک میں اسی طرز پر بنک کھولے گئے ہیں اور ان سے فیض یاب ہونے والوں کی تعداد دس کروڑ سے زائد ہو گئی ہے۔ بنگلہ دیش میں قرض داروں کی سماجی حالت کافی بدل گئی ہے۔ اب سب کو پختہ چھت کے گھر میسر ہیں۔ انھیں بیمۂ صحت کی سہولت بھی حاصل ہے اور ان سب کے بچے سکول جاتے ہیں۔

گرامین بنک نے ایک اور پیش قدمی کی ہے۔ اس نے 45 ہزار بھکاریوں میں سے، ہر ایک کو 100 ٹکے قرض دیے۔ ان میں سے ہر ایک ہر ہفتے دو ٹکے بنک کی قسط ادا کرتا ہے۔ اس طرح وہ افراد بھیک مانگنا چھوڑ کر کام کرنے لگے ہیں اور وہ ملک کے مفید شہری بن چکے ہیں۔ بنک نے گرامین فون اور گرامین ٹیلی کام کمپنیاں بھی قائم کی ہیں اور ایک لاکھ 39 ہزار خواتین کو دیہات میں عوامی فون گھر (PCO) کھول کر دیے ہیں۔ اب بنک ایک اور پیش رفت کرنے کا منصوبہ رکھتا ہے کہ وہ غریب لوگوں کو مچھلی گھر بنا کر دے۔ اُمید ہے کہ اس منصوبے سے مستقبل میں مزید لاکھوں انسانوں کی تقدیر بدل جائے گی۔

ڈاکٹر محمد یونس کو اس گرامین بنک کی وجہ سے بے پناہ شہرت حاصل ہوئی اور ان کی عزت و وقار میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ دنیا بھر میں ان کے منصوبوں کی نہ صرف تعریف کی گئی، بلکہ انھیں بہت سے اعزازات سے بھی نوازا گیا۔ اب تک انھیں اپنے ملک اور دیگر ممالک سے 60 سے زائد اعزازات دیے جا چکے ہیں جن میں 2006ء میں ملنے والا نوبل انعام بھی شامل ہے۔ صدارتی اعزازات کے علاوہ فلپائن کا سب سے بڑا سماجی اعزاز ''رامن میگلے'' بھی اُنھیں مل چکا ہے۔ اس کے علاوہ انھیں 26 اعزازی پی ایچ ڈی کی ڈگریاں بھی دی جا چکی ہیں۔ وہ بے شمار کمپنیوں کے رکن بھی ہیں۔ اس ساری عزت افزائی کے باوجود ان کے لیے سب سے بڑا انعام ان خواتین کے تشکر کے جذبات ہیں، جنھیں قرض کے پھندوں سے نجات اور جینے کا سلیقہ نصیب ہوا۔ ڈاکٹر محمد یونس انھی لوگوں کی دعاؤں سے اپنی بیگم اور اپنے بچوں کے ہمراہ خوش و خرم زندگی بسر کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر محمد یونس کی سماجی خدمات سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ انسان کچھ کر گزرنے کا مصمم ارادہ کر لے، منصوبہ بندی اور غور و فکر کے بعد عملی اقدامات کرے، تو وہ بنی نوع انسان کے دکھوں کو کم کر سکتا ہے۔ یہ محض ڈگری کا کمال نہیں کہ ایسی ڈگریاں تو کئی لوگوں کے پاس ہوتی ہیں۔ اصل بات تو دردِ دل کی ہے۔ ان کی شاندار خدمات صرف قابلِ تحسین ہی نہیں، بلکہ لائقِ تقلید بھی ہیں۔ پاکستان نے بھی ڈاکٹر محمد یونس

کے تجربات اور منصوبوں سے استفادہ کرتے ہوئے دیہی بہبود کے منصوبے بنائے ہیں۔ان منصوبوں کے تحت چھوٹے کاشتکاروں اور چھوٹے کاروباری اشخاص کو قرضے دیے جاتے ہیں اور اُنھیں آسان اقساط میں وصول کیا جاتا ہے جس سے لاکھوں دیہی خاندان فائدہ اُٹھارہے ہیں۔

☆☆☆☆

مشق

(الف) مفصل جواب لکھیں۔

1۔ ڈاکر محمد یونس کی عوامی خدمات سے کیا سبق ملتا ہے؟

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ انسانیت کا اصل جوہر کیا ہے؟

2۔ ڈاکٹر محمد یونس کہاں پیدا ہوئے؟

3۔ ڈاکٹر محمد یونس نے کن دو جامعات میں تعلیم دی؟

4۔ ڈاکٹر محمد یونس نے 42 مزدوروں کا کتنا قرض اپنی جیب سے ادا کیا؟

5۔ خواتین کو قرض دینے کا تجربہ کیوں خوش گوار رہا؟

6۔ ’’گرامین بنک‘‘ کی تقلید میں کتنے ممالک نے بنک کھولے؟

(ج) دُرست جواب کی نشان دہی کیجیے۔

1۔ ڈاکٹر محمد یونس...............................کے استاد تھے۔

(ا) سماجیات (ب) نفسیات (ج) معاشیات (د) حیوانیات

2۔ ڈاکٹر محمد یونس نے جامعہ..........................میں تدریس کی ابتدا کی۔

(ا) چٹا کانگ (ب) کولمبو (ج) ڈھاکہ (د) علی گڑھ

3۔ ڈاکٹر محمد یونس کے مطابق مالی معاملات میں زیادہ ذمہ دار ہیں۔

(ا) عورتیں (ب) مرد (ج) بنک افسران (د) عام آدمی

4۔ ڈاکٹر محمد یونس کے قائم کردہ بنک کا نام...............................ہے۔

(ا) چٹاکانگ بنک (ب) گرامین بنک (ج) نیشنل بنک (د) حبیب بینک

5۔ ڈاکٹر محمد یونس کو نوبل انعام..........................میں دیا گیا۔

(ا) 2006ء (ب) 2007ء (ج) 2008ء (د) 2009ء

(د) کالم (الف) کو کالم (ب) سے ملائیں اور جواب کالم (ج) میں درج کریں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
دردمند	ڈھاکہ یونی ورسٹی	
نوبل انعام	چٹاگانگ یونی ورسٹی	
استاد	1976ء	
ایم اے	2006ء	
گرامین بنک	محمد یونس	
	1940ء	

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1۔ انٹرنیٹ سے گرامین بنک اور ڈاکٹر محمد یونس کے بارے میں مزید معلومات جمع کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ طلبہ سے عوامی خدمت گاروں (سرگنگا رام، گلاب دیوی، دیال سنگھ وغیرہ) کی خدمات اور تصاویر کا البم تیار کروائیں اور کمرۂ جماعت میں نمایاں جگہ پر لٹکائیں۔

☆☆☆☆

نجیب محفوظ

ادب زندگی کا حُسن ہے اور اس کی تہذیب بھی کرتا ہے اور ادب ہی سے مہذب معاشرے وجود میں آتے ہیں۔ اسی لیے ہر معاشرے میں ادیبوں کی ضرورت و اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ دنیا بھر میں سیکڑوں زبانیں بولی جاتی ہیں اور ان کا دائرہ اثر بھی مختلف ہے۔ جن ممالک میں بڑی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ وہاں چھوٹی زبانوں کا دائرہ اثر محدود ہوتا ہے لیکن دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں، جو ادب کے وجود سے خالی ہو۔ بڑی اور قدیم زبانوں کا ادب وسیع ہوتا ہے اور ان کے ادیبوں کی حیثیت بھی مسلّمہ ہوتی ہے جو اہل قلم زندگی کی تہذیب و تعمیر میں زیادہ فعال ہوتے ہیں، قدرت ان پر مہربان ہوتی ہے اور دیگر لوگوں کی نسبت وہ زیادہ باصلاحیت اور ذہین ہوتے ہیں۔ وہ عموماً بچپن ہی سے مشق اور مطالعے سے اپنی ان فطری صلاحیتوں کو نکھارنے لگتے ہیں۔ عربی زبان کے عظیم ادیب نجیب محفوظ کو بھی بچپن ہی سے لکھنے سے عشق ہو گیا تھا۔ وہ ابھی تیسری جماعت کے طالب علم تھے کہ ناول پڑھنے لگے۔ انھوں نے یہ عادت بنالی کہ وہ جو بھی ناول پڑھتے، اسے اپنی زبان میں لکھتے، عنوان کا صفحہ بنا کر اس پر اپنا نام بطور مصنف لکھتے۔ نیز فرضی ناشر کا نام بھی تحریر کر دیتے۔ اس مشق نے اُنھیں اتنا پُختہ کر دیا کہ آگے چل کر یہ بچہ عربی زبان کا بہت بڑا ناول نگار بنا اور 1988ء میں اسے ادب کے نوبل انعام سے نوازا گیا۔

نجیب محفوظ 11 دسمبر 1911 میں قاہرہ کے محلے الجمالیہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے چار بھائیوں اور دو بہنوں میں وہ سب سے چھوٹے تھے۔ چار سال کی عمر میں اُنھیں سکول میں داخل کرا دیا گیا۔ 1934ء میں انھوں نے جامع فواد الاوّل (اب قاہرہ یونی ورسٹی) سے فلسفے کے ساتھ بی اے کیا۔ زمانہ طالب علمی میں وہ مسلسل لکھتے رہے۔ اس زمانے میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین، عباس محمود، العقاد اور سلامہ موسیٰ جیسے جدّید ادیبوں کا طوطی بولتا تھا۔ نجیب بھی فکری اعتبار سے اُن سے متاثر ہوئے۔ انگریزی زبان میں دسترس کے لیے انھوں نے اسی دور میں جیمز بیکی (James Baikie) کی کتاب (History of Egypt) کا ''مصر القدیمہ'' کے نام سے عربی زبان میں ترجمہ بھی کیا۔ پوسٹ گریجویشن کے لیے انھوں نے تحقیقی مقالہ لکھنا چاہا، مگر انھوں نے افسانے لکھنے شروع کر دیے اور زندگی بھر کے لیے ادب ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔

1936ء سے 1939ء تک وہ اپنی مادرِ علمی میں انتظامی عہدے پر کام کرتے رہے۔ بعد ازاں انھوں نے وزارتِ اوقاف میں ملازمت شروع کی اور 1954ء تک وہاں رہے۔ جس کے بعد وہ وزارتِ ثقافت سے وابستہ ہو گئے اور سبکدوش ہونے تک وہیں کام کرتے

رہے۔بچپن میں ماں اُنھیں کبھی کبھی عجائب گھر لے جاتی۔تاریخ سے ان کی دلچسپی ہمیشہ رہی۔انھوں نے ناولوں کے نام بھی قاہرہ کے مختلف محلوں کے نام پر رکھے ہیں۔1919ء میں مصر میں انقلاب آیا۔انھوں نے جگہ جگہ لاشوں کے ڈھیر اور خاک وخون کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ان پر وفدی تحریک کے اثرات بھی مرتب ہوئے۔وہ گہرا سماجی شعور رکھتے تھے۔یہ سب کچھ اُن کے شعور سے لاشعور میں اتر گیا۔ نجیب محفوظ زیادہ لکھنے والے ادیب تھے لیکن انھوں نے اپنے معیار کو ہمیشہ برقرار رکھا۔1934ء سے 1939ء تک انھوں نے 80 کے لگ بھگ افسانے شائع کرائے۔پھر وقفے وقفے سے ان کے افسانوں کے کئی مجموعے منظر عام پر آئے۔انھوں نے 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد جو افسانے لکھے وہ پانچ مجموعوں میں شائع ہوئے۔موضوع اور تکنیک کے لحاظ سے یہ افسانے بُلند پایہ شمار ہوتے ہیں۔ ان میں سیاسی رنگ غالب ہے مگر نجیب کا اصل ادبی میدان ناول نگاری ہی ہے۔

ناول سے انھیں بچپن ہی سے دل چسپی تھی۔انھوں نے تیسری جماعت میں اپنے دوست یحیٰی صقر سے ایک جاسوسی ناول لے کر پڑھا اور پھر یہ تسلسل کبھی نہ ٹوٹا۔انھوں نے جو ناول لکھے، ان میں تاریخی ناولوں کی طرف رُجحان غالب نظر آتا ہے۔چنانچہ بڑے غور وفکر کے بعد قدیم فرعونی دَور پر 35 ناول لکھنے کا پروگرام بنایا مگر وہ صرف تین ناول لکھ پائے۔یہ ناول 1939ء، 1943ء اور 1944ء میں شائع ہوئے۔اس کے بعد ان کے ذہن پر عصری تقاضے غالب آ گئے۔اب ان کی ناول نگاری کی رفتار تیز ہوگئی اور تقریباً ہر سال ایک ناول شائع ہونے لگا۔متوسط اور نچلے محنت کش طبقے کی زندگی کی عکاسی ان کے ناولوں کا امتیازی پہلو تھا۔

1946ء سے 1952ء تک وہ ایک ضخیم ناول لکھ پائے۔یہ ایک ایسا شاہکار ہے، جو صرف عربی ادب بلکہ اپنے دَور کی معاشرتی تاریخ میں اعلیٰ اہمیت کا حامل ہے۔1163 صفحات کے اس ناول کو ایک جلد میں شائع کرنا ممکن نہ تھا، اس لیے یہ تین جلدوں میں تین مختلف ناموں سے شائع ہوا اور ادبی حلقوں میں یہ ناول ''الثلاثیۃ'' کے نام سے مشہور ہوا۔اس کے بعد نجیب محفوظ کی تحریروں میں تعطّل کا دَور آیا اور سات سال بعد ''اولاد ناحارتنا'' 1959ء میں منظر عام پر آیا۔اس میں بعض پیغمبروں کے علامتی کردار کو تمثیلی انداز میں اس طرح پیش کیا گیا، جسے مہذب حلقوں میں نامناسب سمجھا جاتا ہے۔چنانچہ مصر میں اس کی اشاعت پر آج تک پابندی عائد ہے البتہ یہ بیروت سے 1967ء میں شائع ہوا۔اب ان کی توجہ مسلسل ناول نگاری پر مرکوز رہی۔1962ء سے 1988ء تک ان کے مزید 22 ناول منظر عام پر آئے ہیں۔ جولائی 2006ء میں ان کا آخری ناول شائع ہوا۔

نجیب محفوظ کے چالیس ناول، بہت سے افسانے اور ڈرامے شائع ہوئے۔انھوں نے فلمی دنیا کے لیے بھی ڈرامے تحریر کیے۔ ان کے نصف سے زائد ناولوں پر فلمیں بن چکی ہیں۔اس کے علاوہ ان کے کئی ناولوں کے تراجم انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور سویڈش زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ان کے ضخیم ناول کا ترجمہ اسرائیل میں عبرانی زبان میں بھی ہوا۔نوبل انعام نے ان کی شہرت کو بامِ عروج پر پہنچایا، لیکن اس نے پہلے عربی زبان کے بڑے بڑے ادیب ان کے ناولوں پر خراجِ تحسین پیش کر چکے تھے۔ان میں عرب دنیا کے نامور ادبا ڈاکٹر طٰہٰ حسین، عباس محمود، العقاد اور توفیق الحکیم بھی شامل تھے۔نجیب نے ان لوگوں کو ہمیشہ احترام کی نظر سے دیکھا اور نوبل انعام ملنے پر انھیں یاد کرتے ہوئے اپنے سے زیادہ انھیں اس انعام کا حق دار قرار دیا۔ان کے افکار متنازع بھی رہے۔اسی وجہ سے انھیں تشدد بھی سہنا

پڑا۔ان کی زندگی سے یہ سبق ملتا ہے کہ اپنی فطرتی صلاحیتوں کا ادراک ہو اور مسلسل محنت کی جائے تو ذہانت چھپی نہیں رہتی۔ انھوں نے تیسری جماعت میں لکھنا شروع کیا، جب بمشکل ان کی عمر نو دس سال ہوگی۔

انھیں لکھنے سے عشق تھا۔بچپن سے موت تک انھیں طرح طرح کے حالات کا سامنا رہا لیکن اُن کا قلم کبھی نہ رکا اور موت آنے تک وہ مسلسل لکھتے رہے۔ایک دفعہ کہنے لگے کہ اگر کسی روز لکھنے کی امنگ مجھ سے چھن جائے تو میری خواہش ہوگی کہ وہ دن میری زندگی کا آخری دن ہو۔1994ء میں ان پر قاتلانہ حملہ ہوا۔وہ زخمی ہو گئے ان کی گردن پر چھریوں کے وار کے بعد ان کے داہنے ہاتھ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔بڑھاپے کی کمزوریوں نے اُنھیں اور نحیف کر دیا تھا۔وہ السر، گردوں اور دل کے مریض تھے اور نظر بھی کمزور ہوگئی تھی۔قلم پکڑتے تو صرف چند منٹ لکھ پاتے مگر لکھتے ہی رہے۔31 اگست 2006ء 94 سال کی عمر میں ان کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا اور انھیں پورے فوجی اعزاز کے ساتھ قاہرہ میں دفن کر دیا گیا۔

نجیب محفوظ اپنی بھرپور ادبی زندگی گزار کر اس دُنیا سے سدھار گئے لیکن وہ عربی ناول نگاری اور ڈراما نویس کو اچھوتا اسلوب دے گئے۔آج اُنھیں جدید عربی ناول نگاری کا اہم ادیب تسلیم کیا جاتا ہے۔ان کے ناولوں میں محلات کی سیاست کے بجائے معاشرے کے پسے ہوئے افراد کی داستانِ غم شامل ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریر میں عرب دنیا کے عوام الناس میں نہایت مقبول ہیں اور شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔

☆☆☆☆

مشق

(الف) مفصل جواب لکھیں۔

1۔ نجیب محفوظ کے ادبی کارناموں پر ایک مضمون لکھیں۔

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ نجیب محفوظ نے کس عمر میں ناول پڑھنا شروع کیے؟

2۔ نجیب محفوظ کب گریجویٹ ہوئے؟

3۔ نجیب محفوظ کے کس ناول کا عبرانی زبان میں ترجمہ شائع ہوا؟

4۔ نجیب محفوظ کی ادبی تحریروں میں کس مصنف کو اہمیت حاصل ہے؟

5۔ نجیب محفوظ کب فوت ہوئے؟

(ج) دُرست جواب کی نشان دہی کیجیے۔

1۔ نجیب محفوظ ابتدا میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سے متاثر تھے۔

(ا) طٰہٰ حسین (ب) العقاد (ج) سلامہ موسیٰ (د) ا، ب، ج

2۔ نجیب محفوظ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سے سبکدوش ہوئے۔

(ا) جامعہ فواد الاوّل (ب) محکمہ تعلیم (ج) وزارتِ اوقاف (د) وزارتِ ثقافت

3۔ عرب اسرائیل جنگ (1967ء) کے بعد انھوں نے جو افسانے لکھے وہ ۔۔۔۔۔۔۔۔ مجموعوں میں شائع ہوئے۔

(ا) دو (ب) تین (ج) چار (د) پانچ

4۔ نجیب محفوظ کے ناولوں کا غالب رُجحان ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ناولوں کی طرف ہے۔

(ا) معاشرتی (ب) تاریخی (ج) نفسیاتی (د) مثالی

5۔ نجیب کے چالیس ناولوں میں سے آخری ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں شائع ہوا۔

(ا) 1996ء (ب) 1999ء (ج) 2004ء (د) 2006ء

(د) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1۔ لائبریری سے جا کر ایک ناول کا اجرا کرائیں اور چند دن بعد ہر طالب علم ناول کا مختصر تعارف بیان کرے۔

2۔ پاکستان کے معروف ناول نگاروں کی فہرست بنائیں۔

(ہ) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ طلبہ کو اچھے ادب کی اہمیت سے آگاہ کریں۔

فرہنگ

مذہب کا تعارف

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
عقلیت	عقل پسندی	دریغ کرنا	انکار کرنا	فرمودات	باتیں۔اقوال
مدافعانہ رِدِعمل	جوابی کارروائی	سرِتسلیم خم	سر جھکالینا	عقلی موشگافیاں	بال کی کھال اُتارنا
لامحدود	بے انتہا۔جس کی حد نہ ہو	حوادث	حادثہ کی جمع	حیرت واستعجاب	حیرانی
قلبی سکون	دِل کی راحت	رنج والم	دُکھ اور مصیبت	عیب وصواب	گناہ اور نیکی
حسن وقبح	اچھائی اور بُرائی	اساس	بنیاد	ماورائیت	مابعدالطبیعات
سرچشمہ	ذریعہ	مماثلت	مِلتاجُلتا	غیرمتعصّبانہ	بغیر بعض اور نفرت کے
مظاہرِ فطرت	فطرت کا اظہار، مختلف قسم کے قدرتی مناظر	ہیبت	خوف، رُعب	پروٹسٹنٹ	ایک مسیحی فرقہ

مذہب اور سائنس

ماورائی حقائق	غیر مادی دُنیا کے بارے میں باتیں	محققین	تحقیق کرنے والے	نفس الامری	اصل بات، درحقیقت
آشکارا	ظاہر۔ہویدا	مفروضہ	فرض کیا گیا	بقا	باقی ہونا، بچ رہنا
کسوٹی	پرکھنے کا معیار	جامعیت	اکملیت، جامع ہونے کی کیفیت	عمومیت	عام ہونے کی حالت
مابعدالطبیعات	مافوق الفطرت	ایمان بالغیب	غائب پر یقین	قرینِ عقل	وہ بات جسے عقل قبول کرلے
مباحث	بحث یا تفتیش کا کام	عرفان	معرفت، خداشناسی	مفاہیم	مطالب
کھوج لگانا	تلاش کرنا	اجرامِ فلکی	ستارے	متحرک کرنا	حرکت دینا
دخیل	دخل ہونا	مقفل	بند۔تالا لگا ہوا	تخیلاتی کائنات	خیالی دُنیا
نتائج اخذ کرنا	بات کا نچوڑ نکالنا	زمینی حقائق	حقیقت پسندانہ صورت حال	تعصب سے پاک	نفرت اور بغض سے پاک

ہندو دھرم

معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ
مفتوح ہونا، ماتحت آجانا	زیرِ نگیں آنا	زندگی مشکل بنا دینا	جینا دوبھر کرنا	خدا کی رضا پر راضی	تسلیم ورضا
مفلس، کنگال	تہی دست	طاقت	استطاعت	پیروی کرنے والے	پیرو
پختگی، مضبوطی، خالی ہاتھ	استحکام	سفر کے اخراجات	زادِ راہ	نیا، اجنبی	نووارد
تصدیق	تصویب	اجنبی	نووارد	فتح ہوجانا	زیرِ نگیں آنا
عیدالفطر کے موقع پر ایک مقررہ نصاب صدقہ	صدقہ کرنا	پرہیزگاری	تقویٰ	طاقت	استطاعت
یہ عقیدہ کہ خالق اور مخلوق الگ نہیں بلکہ ایک وجود ہے	عقیدہ وحدۃ الوجود	کفر۔ خدا کا اِنکار کرنا	الحاد	مکمل ہونے کا آخری درجہ	درجۂ کمال
درجہ بہ درجہ آگے بڑھنے کی حالت	ارتقائی حالت	لڑائی کرنا	برسرِ پیکار	شامل کرنا	ضم کرنا
نام رکھنے کی وجہ	وجہ تسمیہ	جو تقسیم ہو	منقسم	اخذ شُدہ	ماخوذ
جس میں کوئی وصف پایا جائے	متصف	نجات	نروان	جو تبدیل نہ ہو	غیر متغیر
جلا کر راکھ کردینا	جلا کر خاکستر کر دینا	جنت	سورگ	جنگل میں رہنا	بن باس

زرتشت مذہب

انکشاف راز کرنا	مکاشفہ	علم رکھنے والا	علیم	پھرجانا، لوٹ جانا	انحراف
بتوں کی پُوجا	اصنام پرستی	زمین کا سب سے نیچے کا حصہ	پاتال	دیکھنے والا	بصیر
مہربانی۔ کرم	چشمِ عنایت	جادو ٹانہ	سحر وفسوں	آباؤاجداد کی پرستش	آبا پرستی
دوخدا ماننا	ثنویت	وطن	جنم بھومی	تنہائی اختیار کرنا	گوشہ نشینی
زمینی اور آسمانی	ارضی وسماوی	گناہ غلطیاں	گناہ وعصیاں	گمراہی۔ بدچلنی	فِسق وفجور
مال مویشی پالنا	گلہ بانی	عبادت گاہوں	معبدوں	نیکی کا غرور	پندارِ نیک

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
مفلوک الحال	انتہائی غربت کی حالت	نصب العین	زندگی کا مقصد	راست بازی	دیانت داری۔سچائی
مستعمل	جو استعمال میں ہو	فاضل مال	اضافی دولت	حیف	افسوس
غیرمرئی	نظر نہ آنے والی	مرتّبانِ شرائع	شریعت ترتیب دینے والے	انحراف	راہ سے ہٹنا۔روگردانی کرنا

سکھ مذہب

ریاضت	محنت، مشق	کیرتن	موسیقی اور خوش الحانی سے حمد پڑھنا	لنگر	جہاں روزانہ غریبوں کو کھانا تقسیم کیا جاتا ہے۔
سنگھ	شیر	تشخص	شخصیت، امتیاز، خصوصیت	ستی	ہندو دھرم کی ایک رسم جس میں خاوند کے مرنے پر اس کی بیوی بھی زندہ جلائی جاتی تھی۔
جَپ جی	گُورو گرنتھ صاحب جی کی ایک خاص نظم	پاٹھ	تلاوت، مقدس کتاب کا پڑھنا، سکھ مذہب میں گرو گرنتھ کے پڑھے جانے کو کہتے ہیں۔	کور	شہزادی
سوانح عمری	حالاتِ زندگی	مستفید ہونا	فائدہ اُٹھانا	معنون	کے نام کرنا
استغراق	غور و فکر میں کھو جانا	احتراز	دُور رہنا	افتادِ طبع	
عنفوانِ شباب	جوانی	سرگرداں	پریشان	استفسارات	سوالات
گرہست	گھریلو زندگی	معتقدین	پیروی کرنے والے	اجتماعی مطبخ	
افراط اور تفریط	زیادہ اور کم	ضعیف الاعتقادی	کمزور ایمان ہونا	ایجاز	اختصار۔مختصر ہونا
موانع	حرام کام	بجنسہ	ویسے ہی	مستغرق	غور و فکر میں ڈوبا ہونا

اخلاقی اقدار

انسانی تعصّبات	اِنسانی نفرتیں	چپقلش	اختلاف	انحراف	روگردانی
قلع قمع	خاتمہ کرنا	انا پرست	مغرور	کمندیں ڈالنا	کوشش کرنا

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
مضمر	چھپی ہوئی	متمیّز کرنا	فرق واضح کرنا	ایفائے عہد	وعدہ پورا کرنا
بخل	کنجوسی	خمیازہ بھگتنا	غلطی پر سزا ملنا	قوتِ نافذہ	حکم نافذ کرنے کی طاقت
ممدو ومعاون	مددگار	متحمل	تحمل کرنے والا	محتسب	احتساب کرنے والا
خیروشر	نیکی اور بدی	انتشار ڈالنا	پھوٹ ڈالنا	نافذہ محرکہ	نافذ کرنے کی تحریک

کام کی جگہ پر وقت کی اہمیت

افادیت	فائدہ	تفویض	سپردگی، تحویل	راست باز	سچا
کارخانۂ قدرت	کائنات	ساکھ	عزّت۔وقار۔نیک نامی	ہم آہنگ	ایک ساتھ۔یکجا
تناؤ اور اضطراب	بے چینی اور پریشانی	اہداف	ہدف کی جمع	مختص وقت	دیا گیا وقت
ترجیح دینا	فضیلت دینا	عجلت	جلدی	منظم	تنظیم سے۔ترتیب دیا ہوا
خلفشار	ہلچل۔کشمکش۔افراتفری	حکمتِ عملی	منصوبہ بندی	مرکوز کرنا	مبذول کرنا۔ایک نقطے پر توجہ دینا

آداب

معیوب	عیب دار، بُرا	منتظم	اِنتظام کرنے والا	عزتِ نفس	وقار
چرب زبان	چکنی چپڑی باتیں کرنے والا، تیز طرار	لائحہ عمل	طریقہ کار۔منصوبہ۔حکمت عملی	توقیر	عزت
ماحصل	نتیجہ۔نچوڑ	چاپلوسی	خوشامد	حُسنِ ظن	نیک گمان
انفرادی قوّت	اِنفرادی طاقت، صلاحیت	گفت وشنید	بات چیت	لعن طعن کرنا	بُرا بھلا کہنا
معیوب	ناپسندیدہ	اجتناب کرنا	پرہیز کرنا	حُسنِ ظن	اَچھا گمان
بدظن	بدگمان	عہدہ برآ ہونا	فرض ادا کرنا	قوتِ کار	کام کرنے کی صلاحیت
بددل ہونا	بیزار ہونا۔نفرت کرنا	طیش میں آنا	غصے میں آنا	حربہ	تدبیر۔بہانہ

نیلسن منڈیلا

بیش بہا نعمت	قیمتی انعام	مرہونِ منت	کی وجہ سے	حریت پسند	آزادی پسند شخص
خود دار	غیرت مند	تن آور درخت	مضبوط درخت	نسلی تعصّبات	نسل کی بنیاد پر نفرت کرنا
امتیازی سلوک	تعصب پر مبنی سلوک	استقامت	قدم جمائے کھڑے رہنا	جِلا پائی	روشنی حاصل کی
دُوررس	دُور تک اثر انداز ہونے والا	ڈٹ جانا	حریف کے مقابلے پر جم کر کھڑا ہو جانا	ہراوّل دستہ	تازہ دم فوج

ڈاکٹر محمد یونس

پسماندہ	ترقی یافتہ کا (متضاد لفظ)	مالی معاملات	روپے پیسے سے متعلق	پسیج گیا	دل نرم ہونا
صراف	سُنار	استحصال	لوٹ کھسوٹ کرنا	مصمم ارادہ	پختہ ارادہ
تہیہ کرنا	ارادہ کرنا	نادہندہ	رقم کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنے والا	تشکر	شکرگزاری

نجیب محفوظ

مسلّمہ	تسلیم شُدا	اوڑھنا بچھونا	ہر وقت کا معمول	تعطل	سلسلہ ٹوٹ جانا
بامِ عروج	عروج کی بلندی پر ہونا	متنازع	اختلافی	قاہرہ	مصر کا ایک شہر
زندگی کا چراغ گُل ہو جانا	دُنیا سے چلے جانا	داستانِ غم	دُکھ کی کہانی	تمثیلی انداز	رامائی انداز